کیرالا ریڈر

اردو-اختیاری

بارہویں جماعت

Kerala Reader

URDU - OPTIONAL

Standard

XII

GOVERNMENT OF KERALA
DEPARTMENT OF EDUCATION

Prepared by
State Council of Educational Research and Training (SCERT)
Kerala.
2015

قومی ترانہ

جن گن من ادھی نایک جیہ ہے
بھارت بھاگیہ ودھاتا
پنجاب سندھ گجرات مراٹھا
دراوڑ اتکل بنگا
وندھیہ ہماچل یمنا گنگا
اچھل جل دھی ترنگا
توا شبھ نامے جاگے
توا شبھ آشش ماگے
گاہے توا جیا گاتھا
جن گن منگل دایک جئے ہے
بھارت بھاگیہ ودھاتا
جیہ ہے جیہ ہے جیہ ہے
جیہ جیہ جیہ جیہ ہے!

عہد نامہ

ہندوستان میرا وطن ہے۔تمام ہندوستانی میرے بھائی اور بہن ہیں۔ میں اپنے ملک سے محبت کرتا ہوں اور مجھے اس کے متنوع اور بیش بہا ورثے پر فخر ہے۔ میں ہمیشہ اس کے شایانِ شان بننے کی کوشش کروں گا۔ میں اپنے والدین، اساتذہ اور بزرگوں کا ادب کروں گا اور ہر ایک کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آؤں گا۔ میں اپنے ملک اور لوگوں سے عقیدت کا عہد کرتا ہوں، ان کی بھلائی اور خوش حالی میں میری خوشی مضمر ہے۔

Prepared by:
State Council of Educational Research & Training (SCERT)
Poojappura, Tiruvananthapuram-12, Kerala
E-mail: scertkerala@gmail.com
©
Government of Kerala
Department of Education
2015

پیارے دوستو !

بارہویں جماعت کی درسی کتاب کیرالا ریڈر اردو (اختیاری) آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کو یہ بتاتے ہوئے مجھے بڑی مسرّت ہو رہی ہے کہ اس کتاب میں آپ کی دلچسپی کے بہت سارے سامان موجود ہیں۔ مثلاً ترنّم سے پڑھ کر لطف اندوز ہونے کے لیے اردو کے مشہور و معروف شعرا کی منتخب غزلیں، نظمیں اور رباعیات ہیں۔ مشہور افسانہ نگاروں کے دلچسپ افسانے ہیں۔ ان کے علاوہ اردو زبان کی شیرینی کا لطف اٹھانے کے لیے اور بھی کئی چیزیں شامل کی گئی ہیں۔ جیسے ناول ،سفر نامے، تقریر، سوانح عمری وغیرہ ۔ یہ کتاب نہ صرف کیرالا بلکہ دیگر ریاستوں کے تجربہ کار اساتذہ اور ماہرین تعلیم کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

مجھے مزید خوشی ہوگی جب کہ اس کتاب کی تدریس میں ہمارے اساتذہ کوئی کسر باقی نہیں رکھیں گے تاکہ آپ کی زبانی صلاحیتوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو اور ساتھ ہی اردو زبان سے دلچسپی اور لگاؤ پیدا ہو۔

ڈاکٹر ایس۔ رویندرن نائر

ڈائریکٹر

ایس۔سی۔ ای۔آر۔ ٹی

کیرالا

Text book Development Committee
Urdu - Standard XII (Optional)

Members

Dr. Aboobacker MC HSST Urdu, GVHSS Pullanur, Malappuram

Abdulla K HSST Urdu, HMYHSS Manjeri, Malappuram

Aboobacker K HSST Urdu, GVHSS Omanoor, Malappuram

Hameed K HSST Urdu, Markaz HSS Karanthur, Calicut

Moideen Kutty CK HSST Urdu, GHSS Pookkottur, Malappuram

Muhammed Rafeeque PC HSST Urdu, GHSS Kuzhimanna, Malappuram

Nafeesa C HSST Urdu, Union HSS Mambra, Thrissur

Santhosh N HSST Urdu, Pandalloor HSS, Pandalloor, Malappuram

Souda V HSST Urdu, GGHSS Manjeri, Malappuram

Experts

Dr. Abdul Gaffar P, (Rtd.)HOD Urdu, Govt.College Malappuram

N. Moideen Kutty, (Rtd.)Research Officer, SCERT, Thiruvananthapuram.

Shaik Ghouse Mohiaddeen (Retd) HOD Urdu Govt Brennen College

Dr. Apseer Pasha HOD Urdu NAM College Kallikandy, Kannur,Kerala

Artists

Devarajan P, Drawing Teacher, GHSS Neeleswaram, Kozhikkode.

Madhavan VP, Drawing Teacher, GTTI (Men) Kozhikkode.

Academic Co-ordinator

Dr. Faisal Mavulladathil

Research Officer, SCERT, Thiruvananthapuram.

State Council of Educational Research and Training (SCERT)

Vidyabhavan, Poojappura, Thiruvananthapuram - 695 012

فہرست

یونٹ I زندگی! بندگی نہیں

۱	عجمی غلام	حکایت	سعدیؔ شیرازی	09
۲	زندہ رہے تو کیا	غزل	منیرؔ نیازی	14
۳	مچھر	انشائیہ	خواجہ حسن نظامی	17
۴	کرتے نہیں.....	رباعی	فراقؔ گورکھپوری	30
۵	نصیب نصیب کی بات	ناول	زلیخا حسین	33

یونٹ II انسانیت سے بڑھ کر کچھ نہیں

۶	الامین	نعت	ظفرؔ علی خان	54
۷	غالبؔ کی شخصیت	سوانح عمری	الطاف حسین حالیؔ	58
۸	ہر وقت زمانے کا	رباعی	میر ببر علی انیسؔ	71
۹	عجیب آدمی تھا وہ	آزاد نظم	جاوید اخترؔ	74

یونٹ III ایک گلستان ہے ہندوستان

۱۰	ملاقات کا وعدہ	تقریر	جواہر لال نہرو	80
۱۱	اتحاد	نظم	جان نثار اخترؔ	87
۱۲	ملباری مٹھاس کی طرف	سفر نامہ	ابن بطوطہ	92
۱۳	در مدح بہادر شاہ ظفرؔ	قصیدہ	شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ	102

یونٹ IV الفت- دنیا سے، دنیا والوں سے

۱۴	فطرت کی حفاظت	مضمون	محمد اسلم پرویز	109
۱۵	خواہشیں	نظم	افسؔر میرٹھی	119
۱۶	گھونسلا	افسانہ	شوکت حیات	125
۱۷	ہزاروں خواہشیں ایسی	غزل	مرزا غالبؔ	141

یونٹ ۱

زندگی! بندگی نہیں

زندگی ایک عجیب حقیقت ہے۔ یہ خوشی اور غم سے مالا مال ہے۔ زندگی کی جیت ہار عمل سے ہوتی ہے۔ مایوسی کے اندھیرے کی بجائے اس کو خود اعتمادی سے روشناس کریں۔ اس اکائی کا پہلا سبق 'عجمی غلام' ہے۔ اس میں سعدیؔ شیرازی نے آرام کی قدروقیمت بیان کی ہے۔ منیرؔ نیازی کی غزل 'زندہ رہے تو کیا ہے' میں انسانی زندگی کی مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ سبق 'مچھر' میں خواجہ حسن نظامی نے کیڑے مکوڑوں کی اہمیت کو مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ فراقؔ گورکھپوری کی رباعی میں عمل کی اہمیت کو ظاہر کیا ہے۔ آخری سبق 'نصیب نصیب کی بات' میں زلیخا حسین خود اعتمادی کے ساتھ مصیبتوں کو جھیلنے کا سبق دیتی ہیں۔

تعلیمی نتائج

- حکایت پڑھ کر سمجھتا ہے۔
- حکایت پڑھ کر تحسینی نوٹ تیار کرتا ہے۔
- کہانیاں تخلیق کر کے پیش کرتا ہے۔
- حکایت نگاروں کے بارے میں معلومات فراہم کر کے پیش کرتا ہے۔
- انشائیہ نگاروں کے بارے میں معلومات فراہم کر کے نوٹ تیار کرتا ہے۔
- پسندیدہ موضوع پر انشائیہ تیار کرتا ہے۔
- انشائیہ پڑھ کر مطلب سمجھ کر پیش کرتا ہے۔
- انشائیہ پڑھ کر تحسینی نوٹ تیار کرتا ہے۔
- غزل پڑھ کر مطلب سمجھتا ہے۔
- موزوں مصرعے تیار کرتا ہے۔
- صحیح لب و لہجہ کے ساتھ غزل خوانی کرتا ہے۔
- غزل گو شعرا کے بارے میں معلومات فراہم کر کے پیش کرتا ہے۔
- غزل اور دوسرے اصنافِ سخن کا تقابلی مطالعہ کر کے نوٹ تیار کرتا ہے۔
- رباعی پڑھ کر مفہوم لکھتا ہے۔
- رباعی گو شعراء کے بارے میں معلومات فراہم کر کے پیش کرتا ہے۔
- صنفِ رباعی کی خصوصیات پہچان کر نوٹ لکھتا ہے۔
- ناول پڑھ کر تحسینی نوٹ تیار کرتا ہے۔
- ناول نگاروں کے بارے میں معلومات فراہم کر کے پیش کرتا ہے۔
- نسوانی تقویت کی اہمیت پر نوٹ تیار کرتا ہے۔

سبق ۱

عجمی غلام

کیا آپ میں سے کسی نے کشتی میں سفر کیا ہے؟
اگر کیا ہے تو آپ کے تجربات بتائیے۔

ایک بادشاہ ایک عجمی غلام کے ساتھ کشتی میں بیٹھا اور غلام نے کبھی کوئی دریا دیکھا تھا اور نہ ہی کشتی کی تکالیف کا سامنا کیا تھا۔اس نے رونا اور آہ وزاری کرنا شروع کیا اور اس کا بدن بھی کانپنے لگا۔ اس سے بادشاہ کے آرام

میں خلل پڑ گیا کیونکہ اس کی نازک طبیعت اس طرح کے حالات کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ لوگوں کو اس مسئلہ کے حل کی کوئی تدبیر نہیں سوجھی۔ اس کشتی میں ایک عقلمند آدمی تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ اگر حکم ہو تو ایک طریقے سے اس غلام کو خاموش کرادوں۔ بادشاہ نے کہا کہ بڑی مہر بانی ہوگی۔ اس آدمی کے کہنے پر لوگوں نے غلام کو دریا میں پھینک دیا۔ اس نے دریا میں چند غوطے کھائے اور لوگوں نے اس کے بال پکڑ کر اسے کشتی کے آگے لائے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کشتی کا دنبالہ پکڑ کر لٹک گیا۔ اس طرح وہ دریا سے نکل آیا اور کشتی کے ایک کونے میں خاموش بیٹھ گیا۔ بادشاہ کو تعجب ہوا، اس نے دریافت کیا کہ اس عمل میں کیا دانائی تھی؟ عقلمند نے جواب دیا کہ اس نے اس سے پہلے پانی میں ڈوبنے کی مصیبت نہیں اٹھائی تھی۔ آرام کی قدر وہی جانتا ہے جو کسی مصیبت میں گرفتار ہوا ہو۔

سعدیؔ شیرازی

سعدیؔ شیرازی کا شمار فارسی ادبیات کی مشہور ہستیوں میں ہوتا ہے۔ان کا پورا نام شرف الدّین مصلح بن عبدا للہ سعدیؔ شیرازی تھا۔ وہ ایران کے مشہور شہر شیراز میں ۶۰۶ھ کو پیدا ہوئے۔ وہ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے۔ سعدیؔ کو علم حاصل کرنے کا نہایت شوق تھا۔ اپنی عمر کا زیادہ تر حصّہ انھوں نے سفر و سیاحت میں گزارا۔ سعدیؔ نے ترکستان اور ہندوستان کا بھی سفر کیا۔ سفر کے دوران مختلف مذہبوں اور فرقوں کے لوگوں سے ملے۔ انھوں نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ 'بوستان' اور گلستان' ان کی مشہور و معروف تخلیقات ہیں۔

'بوستان' اور 'گلستان' کے علاوہ سعدی نے کئی قصائد، غزلیات، رباعیات، قطعات، ترجیع بند مقالات اور عربی قصائد بھی تصنیف کیے۔ صنف غزل میں سعدیؔ نے جدّت برتی تھی۔

ان کی تصانیف کا ترجمہ دنیا کی تمام زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ۶۹۳ھ کو سعدیؔ کی وفات اپنے وطن شیراز میں ہوئی۔

حکایت

حکایت ایسی کہانی ہے کہ جس سے پڑھنے والوں کو اخلاقی سبق ملتا ہے۔ یہ افسانے کے مقابلے میں بہت مختصر ہوتی ہے۔

یہ حکایت سعدیؔ شیرازی کی کتاب 'گلستان' سے لی گئی ہے۔ فارسی میں لکھی ہوئی یہ حکایت سعدیؔ کی ایک شاہ کار تخلیق ہے۔ اس میں مختلف ممالک کے احوال، مشہور ومعروف ہستیوں کے زرین اقوال، تاریخی وتہذیبی اور ثقافتی حقائق قلمبند کیے گئے ہیں۔اس میں مناظرِ قدرت کی حسین مرقع نگاری بھی ملتی ہے۔ اس حکایت میں سعدیؔ نے بادشاہ اور عجمی غلام کی کہانی کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ آرام کی قدر وہی جانتا ہے جو کسی مصیبت میں گرفتار ہوا ہو۔

فرہنگ

عجمی	:	غیر عربی
آہ وزاری	:	چلّانا
خلل	:	رکاوٹ
دانائی	:	عقل مندی
تدبیر	:	ترکیب
دنبالہ	:	کشتی یا جہاز کا پچھلا حصّہ
غوطہ لگانا	:	ڈوبنا

سرگرمیاں

۱) بادشاہ کے آرام میں کیوں خلل پڑا؟
۲) غلام کو خاموش کروانے کے لیے عقلمند آدمی نے کیا کیا؟
۳) عجمی غلام کیوں خاموش ہو گیا؟
۴) بادشاہ کے حکم کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟
۵) سعدؔی شیرازی کے بارے میں مختصر نوٹ لکھیے۔
۶) آپ نے دریا دیکھا ہوگا۔ کسی دریائی سفر کے تجربات لکھیے۔
۷) اگر بادشاہ کی جگہ آپ ہوتے تو کیا کرتے ؟
۸) عقلمند آدمی کی تجویز کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

حوالہ جات

گلستان سعدؔی شیرازی
بوستان سعدؔی شیرازی

سبق ۲

غزل

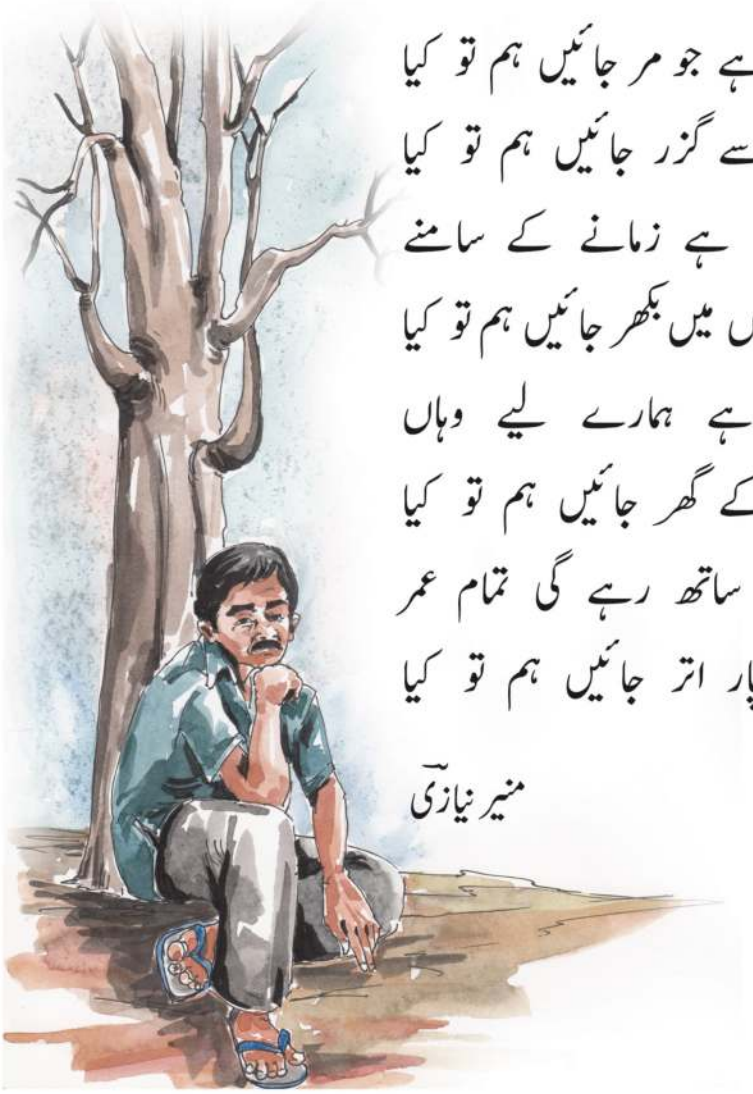

زندہ رہیں تو کیا ہے جو مر جائیں ہم تو کیا
دنیا سے خامشی سے گزر جائیں ہم تو کیا

ہستی ہی اپنی کیا ہے زمانے کے سامنے
اِک خواب ہے جہاں میں بکھر جائیں ہم تو کیا

اب کون منتظر ہے ہمارے لیے وہاں
شام آگئی لوٹ کے گھر جائیں ہم تو کیا

دل کی خلِش تو ساتھ رہے گی تمام عمر
دریائے غم کے پار اتر جائیں ہم تو کیا

منیر نیازی

منیر نیازی

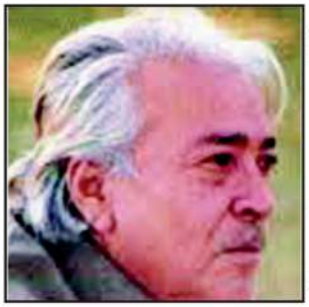

اردو اور پنجابی کے مشہور شاعر اور ادیب منیر احمد نیازی پنجاب کے ہوشیار پور ضلع میں ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے۔

انھوں نے انٹر میڈیٹ ایس ای کالج سے اور بی اے لاہور کے دیال سنگھ کالج سے کیے۔ ۱۹۲۹ء میں انھوں نے ایک ہفتہ وار 'سات رنگ' جاری کیا۔ منیر نیازی پاکستانی فلم انڈسٹری سے وابستہ ہو کر بہت سے گیت لکھے۔

انھوں نے 'جنگل' سے وابستہ علامات کو اپنی شاعری میں خوبصورت انداز میں داخل کیے۔ 'تیز ہوا اور تنہا پھول' 'جنگل میں دھنک' 'سفید دن کی ہوا' 'ماہِ منیر' 'سیاہِ شب کا سمندر' اور 'کلیاتِ منیر' وغیرہ ان کے اہم مجموعہء کلام ہیں۔ اردو شاعری میں منیر نیازی ایک نئے طرز تحریر کے مالک ہیں۔ جنھوں نے چھوٹے چھوٹے مترنم لفظوں سے اپنی غزلوں کو ایک نیا لہجہ عطا کیا ہے۔ ان کو 'ستارۂ امتیاز' کے اعزاز سے نوازا گیا۔ یہ نامور شاعر ۲۶ر دسمبر ۲۰۰۶ء کو دنیا سے رخصت ہوگئے۔

فرہنگ

خامشی	:	خاموشی
بکھر جانا	:	منتشر ہونا
منتظر	:	انتظار
خَلش	:	کھٹک، اضطراب

سرگرمیاں

۱) 'دل کی خلش تو ساتھ رہے گی تمام عمر' شاعر ایسا کیوں کہتا ہے؟

۲) غم کے دریا پار اترنے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟

۳) نیچے دیے گئے شعر کی تشریح کیجیے۔

اب کون منتظر ہے ہمارے لیے وہاں
شام آ گئی لوٹ کے گھر جائیں ہم تو کیا

۴) منیؔر نیازی کے کسی دو مجموعہء کلام کے نام لکھیے۔

۵) صنفِ غزل اردو زبان کی جان اور آبرو ہے۔ غزل کی چند خصوصیات لکھیے۔

۶) منیؔر نیازی کے ادبی خدمات کے بارے میں مختصر نوٹ تیار کیجیے۔

۷) اس غزل سے پسندیدہ شعر چن کر لکھیے اور پسندیدگی کے اسباب بتائیے۔

سبق ۳

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بڑا نہیں قدرت کے کارخانے میں
بچّو! کیا آپ اقبالؔ کے اس شعر کا مطلب بتا سکتے ہیں؟

مچّھر

یہ بھنبھناتا ہوا ننّھا سا پرندہ آپ کو بہت ستاتا ہے۔ رات کی نیند حرام کر دی ہے۔ ہندو، مسلمان، عیسائی، یہودی سب بالاتفاق اس سے ناراض ہیں۔ ہر روز اس کے مقابلے کے لیے ہمیں تیار ہوتی ہیں۔ جنگ کے نقشے بنائے جاتے ہیں مگر مچّھروں کے جنرل کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔ شکست پر شکست ہوئی چلی جاتی ہے اور مچّھروں کا لشکر بڑھا چلا آتا ہے۔

اتنے بڑے ڈیل ڈول کا انسان ذرا سے بُھنگے پر قابو نہیں پا سکتا۔ طرح طرح کے مسالے بھی بناتا ہے کہ ان کی بو سے مچّھر بھاگ جائیں۔ لیکن مچّھر اپنی یورش سے باز نہیں آتے۔ آتے ہیں اور نعرے لگاتے ہوئے آتے ہیں۔ بے چارا آدم زاد حیران رہ جاتا ہے اور کسی طرح ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

امیر، غریب، ادنیٰ، اعلیٰ، بچے، بوڑھے، عورت، مرد کوئی اس کے وار

سے محفوظ نہیں۔ یہاں تک کہ آدمی کے پاس رہنے والے جانوروں کو بھی ان کے ہاتھ سے ایذا ہے۔ مچھّر جانتا ہے کہ دشمن کے دوست بھی دشمن ہوتے ہیں۔ ان جانوروں نے میرے دشمن کی اطاعت کی ہے تو میں ان کو بھی مزا چکھاؤں گا۔

آدمیوں نے مچھّروں کے خلاف ایجی ٹیشن کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ہر شخص اپنی سمجھ اور عقل کے موافق مچھّروں پر الزام رکھ کر لوگوں میں ان کے خلاف جوش پیدا کرنا چاہتا ہے مگر مچھّر اس کی کچھ پروانہیں کرتا۔

طاعون نے گڑ بڑ مچائی تو انسان نے کہا کہ طاعون مچھّر اور پسّو کے ذریعے سے پھیلتا ہے۔ ان کو فنا کر دیا جائے تو یہ ہولناک وبا دور ہو جائے گی۔ ملیریا پھیلا تو اس کا الزام بھی مچھّر پر عائد ہوا۔ اس سرے سے اس سرے تک کالے گورے آدمی غل مچانے لگے کہ مچھّروں کو مٹا دو، مچھّروں کو کچل ڈالو، مچھّروں کو تہس نہس کرو اور ایسی تدبیریں نکالیں جن سے مچھّروں کی نسل ہی منقطع ہو جائے۔

مچھّر بھی یہ سب باتیں دیکھ رہا تھا اور سن رہا تھا۔ رات کو ڈاکٹر صاحب کی میز پر رکھے ہوئے 'پیانیر' Poineer آکر دیکھتا۔ اپنی برائی کے حروف پر بیٹھ کر اس خون کی ننھی ننھی بوندیں ڈال جاتا جو انسان کے جسم سے یا خود ڈاکٹر

صاحب کے جسم سے چوس کر لایا تھا۔ گویا اپنے فائدہ کی تحریر سے انسان کی ان تحریروں پر شوخیانہ ریمارک لکھ جاتا کہ میاں تم میرا کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

انسان کہتا ہے کہ مچّھر بڑا کم ذات ہے۔ کوڑے کرکٹ، میل کچیل سے پیدا ہوتا اور گندی موریوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ بز دلی تو دیکھو اس وقت حملہ کرتا ہے جب کہ ہم سو جاتے ہیں۔ سوتے پروار کرنا، بے خبر کے چرکے لگانا مردانگی نہیں ہے۔ صورت دیکھو کالا بُھتنا، لمبے لمبے پاؤں، بے ڈول چہرہ، اس شان وشوکت کا وجود اور آدمی جیسے گورے چٹے، خوش وضع کی دشمنی، بے عقلی اور جہالت اسی کو کہتے ہیں۔

مچّھر کی سنو تو وہ آدمی کو کھری کھری سناتا ہے اور کہتا ہے کہ جناب ہمّت ہے تو مقابلہ کیجیے۔ ذات صفات نہ دیکھیے۔ میں کالا سہی، بدرونق سہی، مگر یہ تو کہیے کہ کس دلیری سے آپ کا مقابلہ کرتا ہوں اور کیوں کر آپ کی ناک میں دم کرتا ہوں۔

یہ الزام سرا سر غلط ہے کہ بے خبری میں آتا ہوں اور سوتے میں ستاتا ہوں۔ یہ تو تم اپنی عادت کے موافق سراسر ناانصافی کرتے ہو۔ حضرت میں تو کان میں آکر ''اَلٹی میٹم'' دے دیتا ہوں کہ ہوشیار ہو جاؤ اب حملہ ہوتا ہے۔ تم ہی غافل رہو تو میرا کیا قصور۔ زمانہ خود فیصلہ کردے گا کہ میدانِ جنگ

میں کالا بھتنا، لمبے لمبے پاؤں والا بیڈول فتح یاب ہوتا ہے یا گوراچٹا آن بان والا۔

میرے کارناموں کی شاید تم کو خبر نہیں کہ میں نے اس پردۂ دنیا پر کیا کیا جوہر دکھائے ہیں۔ اپنے بھائی نمرود کا قصّہ بھول گئے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے سامنے کسی کی حقیقت نہ سمجھتا تھا؟ کس نے اس کا غرور توڑا؟ کون اس پر غالب آیا؟ کس کے سبب اس کی خدائی خاک میں ملی؟ اگر آپ نہ جانتے ہوں تو اپنے ہی کسی بھائی سے دریافت کیجیے یا مجھ سے سینے کہ میرے ہی ایک بھائی مچّھر نے اس سرکش کا خاتمہ کیا تھا۔

اور تم تو ناحق بگڑتے ہو اور خواہ مخواہ اپنا دشمن تصور کیے لیتے ہو۔ میں تمھارا مخالف نہیں ہوں۔ اگر تم کو یقین نہ آئے تو اسے کسی شب بیدار صوفی بھائی سے دریافت کر لو، دیکھو وہ میری شان میں کیا کہے گا۔ کل ایک شاہ صاحبِ عالم ذوق میں اپنے ایک مرید سے فرما رہے تھے کہ میں مچّھر کی زندگی کو دل سے پسند کرتا ہوں۔ دن بھر بے چارہ خلوت خانہ میں رہتا ہے۔۔ رات کو، جو خدا کی یاد کا وقت ہے باہر نکلتا ہے اور پھر تمام شب تسبیح و تقدیس کے ترانے گایا کرتا ہے۔ آدمی غفلت میں پڑے سوتے ہیں تو اس کو ان پر غصّہ آتا ہے۔ چاہتا ہے کہ یہ بھی بیدار ہو کر اپنے مالک کے دیے ہوئے اس سہانے خاموش

وقت کی قدر کرے اور حمد و شکر کے گیت گائے۔ اس لیے پہلے ان کے کان میں جا کر کہتا ہے اٹھو میاں اٹھو جاگو جاگنے کا وقت ہے۔ سونے کا اور ہمیشہ سونے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ جب آئے گا تو بے فکر ہو کر سونا۔ اب تو ہوشیار رہنے اور کچھ کام کرنے کا موقع ہے۔ مگر انسان اس سریلی نصیحت کی پروا نہیں کرتا اور سوتا رہتا ہے تو مجبور ہو کر غصّہ میں آجاتا ہے اور اس کے چہرے اور ہاتھ پاؤں پر ڈنک مارتا ہے۔ پر واہ رے انسان، آنکھیں بند کیے ہوئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ بے ہوشی میں بدن کو کھجا کر پھر سو جاتا ہے۔ جب دن کو بیدار ہوتا ہے تو بے چارے مچّھر کو صلواتیں سناتا ہے کہ رات بھر سونے نہیں دیا۔ کوئی اس دروغ گو سے پوچھے کہ جناب عالی کے سکنڈ جاگے تھے جو ساری رات جاگتے رہنے کا شکوہ ہو رہا ہے۔

شاہ صاحب کی زبان سے یہ عارفانہ کلمات سن کر میرے دل کو بھی تسلّی ہوئی کہ غنیمت ہے۔ ان آدمیوں میں بھی انصاف والے موجود ہیں۔ میں دل میں شرمایا کہ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ شاہ صاحب مصلّے پر بیٹھے وظیفہ پڑھا کرتے ہیں اور میں اُن کے پیروں کا خون پیا کرتا ہوں۔ یہ تو میری نسبت، ایسی اچھی اور نیک رائے دیں اور میں ان کو تکلیف دوں۔ اگر چہ دل نے یہ سمجھایا کہ تو کاٹتا تھوڑی ہے۔ قدم چومتا ہے اور ان بزرگوں کے قدم چومنے

ہی کے قابل ہوتے ہیں۔اصل یہ ہے کہ اس سے میری ندامت دور نہیں ہوئی اور اب تک میرے دل میں اس کا افسوس باقی ہے۔

سو ..... اگر سب انسان ایسا طریقہ اختیار کر لیں جیسا کہ صوفی صاحب نے کیا تو یقین ہے کہ ہماری قوم انسان کو ستانے سے خود بخود باز آجائے گی۔ ورنہ یاد رہے کہ میرا نام مچھر ہے، لطف سے جینے نہ دوں گا۔

مندرجہ ذیل جوڑوں کو دیکھیے۔

کوڑا کرکٹ، میل کچیل، گورا چٹّا، رہن سہن، آن بان ان میں سے ہر جوڑے کا دوسرا لفظ، پہلے کے ہم معنی ہے۔ اور اس کی تاکید کے لیے لایا ہے۔ ایسے تاکیدی الفاظ کو اصطلاح میں تابع موضوع کہتے ہیں۔ تابع کی دوسری قسم تابع مہمل کہلاتی ہے۔ اس میں جوڑے کا دوسرا تاکیدی لفظ مہمل یعنی بے معنی ہوتا ہے۔

مثلاً : چادر وادر، تکیہ وکیہ، بستر وستر وغیرہ

محاورہ

اس سبق میں مزا چکھانا، کھری کھری سنانا، غرور توڑنا، ناک میں دم کرنا، ایسے الفاظ آئے ہیں جو ان کے اصلی معنیٰ کے بجائے دوسرے معنیٰ میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس طرح کے الفاظ کو محاورے کہتے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی

1878-1955

خواجہ حسن نظامی اردو کے بڑے انشائیہ نگار ہیں۔ انھیں کتابوں کے مطالعے اور مضمون نویسی کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ پہلے اخبارات میں چھوٹے چھوٹے مضامین لکھے۔ بعد میں تحریر و تصنیف ہی ان کا مشغلہ بن گیا۔ انھوں نے بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔

خواجہ حسن نظامی ایک خاص طرزِ تحریر کے مالک ہیں۔ ان کی نثر میں ادبیت، علمیت اور روحانیت کی عجیب و غریب آمیزش ہوتی ہے۔ ان کا دل کش اسلوب معمولی واقعات اور روز مرّہ کی چیزوں کو بھی غیر معمولی بنادیتا ہے۔ بے تکلفی اور سادگی ان کے نثر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ انھیں مُرقع نگاری اور منظر کشی میں بھی مہارت حاصل ہے۔وہ اپنے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی بڑی باتیں کہہ جاتے ہیں۔

ان کی تصانیف میں ''سی پارۂ دل''، ''کانا ناتی''، ''چٹکیاں اور گدگدیاں''، ''بہادر شاہ کا روز نامچہ''، ''بیگمات کے آنسو'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

انشائیہ

انگریزی میں انشائیہ اور مضمون دونوں کے لیے Essay کی اصطلاح رائج ہے۔ انشائیہ ادیب کی ذہنی اور ادبی اسلوب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ انشائیہ نگار زندگی کی عام یا خاص بات یا کیفیت کو اپنی افتادِ طبع، علمیت اور شگفتہ نگاری سے پُر لطف انداز میں بیان کر دیتا ہے۔ ابتدا میں تمثیلی انشائیے بھی لکھے گئے۔ انھیں رمزیے Allegory کہا جاتا ہے۔ کنھیالال کپور، مشتاق احمد یوسفی، یوسف ناظم، وزیر آغا اور مجتبیٰ حسین وغیرہ ہمارے زمانے کے ممتاز انشائیہ نگار ہیں۔

فرہنگ

بھنبھنانا	:	مچھر اور مکھیوں کے اڑنے کی آواز
ڈیل ڈول	:	قد و قامت
بھونکنا	:	کتے کا چلّانا
یورش	:	حملہ
آدم زاد	:	آدم کی اولاد، انسان
وار	:	چوٹ، الزام
ایذا	:	دکھ دینا، تکلیف پہنچانا
اطاعت	:	حکم ماننا

پیانیر : مشہور انگریزی اخبار

طاعون : وبا Plague

پسّو : پر والا زہریلا کیڑا جس کے کاٹنے سے بدن میں کھجلی ہوتی ہے

تہس نہس : تباہ، برباد، خراب

منقطع ہونا : ٹوٹنا، کٹنا

کوڑا کرکٹ : ردّی اور نکمّی چیز

میل کچیل : گندگی

چرکا لگانا : زخم لگانا

ناک میں دم کرنا : ستانا، حیران کرنا

سراسر : تمام، کل

بے ڈول : بدنما، بے ڈھنگا

فتح یاب ہونا : کامیاب ہونا

گورا چٹا : خوبصورت

سرکشی : بغاوت، حکم نہ ماننا

ناحق بگڑنا : بے جا بگڑنا

شب بیدار : راتوں کو جاگ کر عبادت کرنے والا

تسبیح و تقدیس : خدا کی پاکیزگی کو بیان کرنا

ڈنک مارنا	:	کسی زہریلے جانور کا کاٹنا
کھجانا	:	ناخن کھرجنا
وظیفہ پڑھنا	:	کوئی تسبیہ جو روزانہ پڑھی جائے
ندامت	:	شرمندگی
عالم ذوق	:	دل و دماغ کی ایک خاص کیفیت
خلوت خانہ	:	تنہائی کی جگہ
تقدس	:	بزرگی، پاکی
دروغ گو	:	جھوٹا
عارفانہ کلمات	:	معرفت کی باتیں

سرگرمیاں

۱) اس انشائیہ میں مچّھر کے ذریعہ انسان کو کیا کیا نصیحتیں کی گئی ہیں؟

۲) مچّھر جانتا ہے کہ ''دشمن کے دوست بھی دشمن ہوتے ہیں'' اس جملے کے ذریعہ مصنف ہمیں کیا بتانا چاہتا ہے؟

۳) خواجہ حسن نظامی کے بارے میں اپنے خیالات واضح کیجیے۔

۴) خواجہ حسن نظامی کا یہ انشائیہ پڑھیے۔ اس میں مچّھر اپنی زندگی کے واقعات بیان کرتا ہے۔ اس طرح شہد کی مکھیوں کی زندگی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔ ایک مضمون تیار کیجیے۔

۵) ذیل کے جملوں سے ایسے الفاظ چن لیجیے جو محاورے ہیں۔

☆ شمیم نے بڑی حیرت اور دکھ سے مولوی علی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

☆ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید کے کئی مقامات اور فقہ کے بے شمار مسائل کو آن کی آن میں صاف اور سلیس انداز میں سمجھا دیا وہ 'غلامی' کا مطلب نہیں سمجھتا۔

☆ جینا اجیرن ہو جائے گا میری بیٹی کا۔ ساس ناک میں دم کر دے گی۔ آنکھیں نہیں اٹھ سکیں گی کسی کے سامنے۔

۶) مچّھر کو اہم کردار بنا کر اس انشائیہ کا کوئی پسندیدہ حصّہ چن کر رول پلے کے ذریعہ پیش کیجیے۔

۷) کھری کھری کرنا، مزا چکھانا جیسے کئی محاورے اس سبق میں استعمال ہوئے ہیں۔ انھیں چن کر لکھیے۔

اور جملوں میں استعمال کیجیے۔

۸) شہر کی صفائی قائم رکھنے کے لیے ایک جلوس نکلنے والا ہے۔ اس کے لیے چند پلکارڈز تیار کیجیے۔

۹) مچھروں سے بچنے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟

حوالہ جات

سی پارۂ دل — حسن نظامی

کانا ناتی — حسن نظامی

سبق ۴

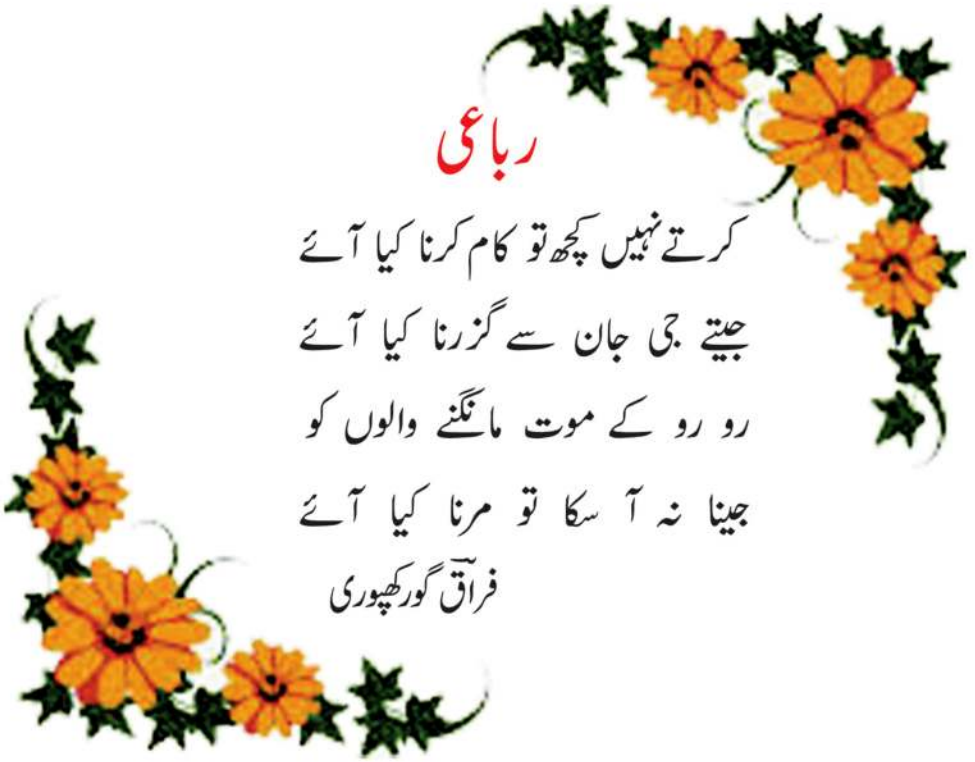

رباعی

کرتے نہیں کچھ تو کام کرنا کیا آئے
جیتے جی جان سے گزرنا کیا آئے
رو رو کے موت مانگنے والوں کو
جینا نہ آ سکا تو مرنا کیا آئے

فراقؔ گورکھپوری

فراقؔ گورکھپوری

1896 - 1982

رگھوپتی سہائے فراقؔ گورکھپوری گورکھپور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد منشی گورکھ پرشاد عبرتؔ بھی اردو کے مشہور شاعر تھے۔ ان کو بچپن سے ہی شعر و شاعری کا شوق تھا۔ انھوں نے غزل، نظم، رباعی جیسی مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی۔ انھوں نے الہ آباد میں تعلیم پائی اور اردو فارسی کے علاوہ انگریزی میں بھی خاصی مہارت حاصل کی۔ انگریزی میں ایم اے کرنے کے بعد الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے استاد ہو گئے۔

فراقؔ گورکھپوری کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ ان میں روحِ کائنات، رمز و کنایات، غزلستان، شبنمستان اور گلِ نغمہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔انھیں 'گیان پیٹھ' انعام سے بھی نوازا گیا۔ ان کی رباعیوں کا مجموعہ 'روپ' بہت مشہور ہے۔ ان کے کلام میں عام طور پر قدیم ہندوستانی تہذیب کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

شاعری میں فراقؔ کی غزل اور ان کی رباعی کا انداز سب سے الگ ہے۔ انھوں نے رباعی کی صنف کو ہندوستانی ثقافت کا ترجمان بنایا۔

سرگرمیاں

۱) چند پسندیدہ رباعیات جمع کیجیے۔

۲) اس رباعی کے ذریعہ شاعر ہم سے کیا کہنا چاہتا ہے؟

۳) اس رباعی کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۴) کاہل لوگوں پر فراقؔ نے کس طرح طنز کیا ہے؟

۵) گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ اردو ادیبوں کی فہرست تیار کیجیے۔

سبق ۵

نصیب نصیب کی بات

بچّو! اس تصویر میں آپ کو کیا کیا دکھائی دیتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ کیا کریں گے؟

بیس منٹ تک بس کا انتظار کرتے کرتے تاجی بے چین سی ہو اٹھی۔ آسمان پر کالے کالے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ پل بھر میں ہی برسنے لگیں گے۔ وہ اپنا چھاتا رین کوٹ سب گھر پر چھوڑ آئی تھی۔ کیا کرے؟ بار بار اس کے سامنے سے ٹیکیساں آٹو رکھشائیں گزر رہی

تھیں مگر اس کے پرس میں صرف بس کے پیسے تھے۔ پریشانی کے عالم میں وہ بار بار سڑک پر نظریں دوڑاتی رہی۔ دور دور تک بس کا کہیں نشان نہ تھا۔ بارش کی بوند بھی پڑنی شروع ہو گئی۔ بارش سے بچنے کے لیے آس پاس کہیں کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ وہ دل ہی دل میں بس والوں کو کوسنے لگی۔ تب ہی اس کے سامنے سے ایک ٹیکسی گزری اور کچھ آگے جا کر بریک لگنے کی تیز آواز کے ساتھ رک گئی۔ پھر پیچھے کو چلی اور عین اس کے سامنے آ کر رک گئی۔

''تاجی چلو میں تمھیں گھر چھوڑ دوں گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں۔ بس آ جائے گی اور میں چلی جاؤں گی۔'' تاجی نے روکھے پن سے جواب دیا۔

''آج شام تک کھڑی رہو گی تو کوئی بس نہیں آئے گی۔ بس والوں نے اچانک ہڑتال کر دی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا'' تاجی کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا ''سچ کہتے ہو؟''

'' بالکل سچ۔ جھوٹ کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ دیکھو نا اسٹینڈ خالی پڑا ہے۔ چلو بیٹھ جاؤ گاڑی میں۔ زور کی بارش ہونے والی ہے۔ بھیگ جاؤ گی۔''

اف! میرے خدا۔ ستیا ناس ہو ان کمینوں کا۔ ہماری جیب سے پلتے ہیں اور ہم ہی کو ستاتے ہیں۔ تاجی نے بس والوں کو پھر کوستے ہوئے سوچا۔

اب تو اس بلا کی لفٹ قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ خدا کا شکر ہے جو یہ گزرا اس راستے سے۔

تاجی کو خاموش دیکھ کر اس نے ساتھ والی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ مگر تاجی چپ چاپ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''یہی سہی۔ پر گاڑی میں تو بیٹھ گئیں۔ شکر گزار رہوں گا اس مہربانی کے لیے'' اس نے مڑ کر تاجی کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

گاڑی سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

''تاجی۔ ایک بات پوچھوں۔؟''

''ہوں''

'' تم ٹائپ رائٹنگ سیکھنے کیوں جاتی ہو۔ کیا ملازمت کرنی ہے؟''

''میری مرضی۔ تم کیوں پوچھتے ہو''

''ایسے ہی ۔ سنا ہے دادی تمھاری شادی کے لیے لڑکا ڈھونڈ رہی ہیں۔''

''کس سے سنا؟'' تاجی نے چڑ کر پوچھا۔

'' میری موسی نے بتا یا۔ تمھاری پڑوسن گلابو ..... پھر وہ بات ادھوری چھوڑ کر ہنس پڑا۔ جانے میری نانی کو کیا سوجھی جوان کا نام گلا بو رکھ دیا۔ کالی کلوٹی ہیں اور نام گلابو۔ اچھا نہیں لگتا۔''

''تمھارا نام کیا اچھا لگتا ہے ۔ راجا کہاں کے راجا ہوتم'' تاجی نے طنز بھرے لہجہ میں پوچھا۔

'' میری بات اور ہے۔ یہ نام میں نے خود اپنے لیے پسند کیا ہے۔ من کا راجا ہوں۔ اپنی دنیا کا راجہ ہوں اس لیے۔ ویسے میرا نام اچھا بھلا ہے مجیب'' راجہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

'' تو ان کا بھی نام اچھا بھلا ہے۔ تمھیں کیوں اعتراض ہے۔ کالے رنگ پر بھی اچھی خاصی پرکشش ہیں وہ۔''

'' خاک پرکشش ہیں۔ ہاں البتہ سانولا رنگ ہوتا تمھارے جیسا تو .....''

''یوشٹ اپ۔ مجھے بکواس پسند نہیں۔'' تاجی بگڑ کر بولی۔

میں نے کیا بری بات کہی۔ ایسے ہی ایک مثال کی بات تھی۔ اس کے لیے بگڑتی کیوں ہو۔ اسی طرح ناک پر غصّہ لئے رہو گی تو جو تم سے شادی کرے گا اس بے چارے کا کیا ہوگا؟''

'' مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔ اس لیے کسی بے چارے کی خرابی نہیں ہوگی۔ میں کام کروں گی اور اپنی تنہا زندگی بسر کروں گی۔''

''مگر تمھاری دادی مانیں گی تب نا....؟''

''نہیں ماننا پڑے گا...'' تاجی تیز لہجہ میں بولی۔

''دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ جوانی اور بڑھاپے کی تنہائی میں کون جیتا ہے کون ہارتا ہے۔'' راجا نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا۔

'' تم چپ چاپ گاڑی چلاؤ گے یا میں یہیں اتر جاؤں۔'' تاجی ناراض ہوکر بولی۔

''گاڑی میں روکوں گا تب ہی تو اتروگی تم۔ کب سے ترس رہا تھا۔ آج خدانے یہ موقع دلا دیا تم سے باتیں کرنے کا۔''

''میں کیا لگتی ہوں تمھاری''

''فی الوقت تو واقعی کچھ نہیں لگتیں۔ میں آگے کی سوچ رہا ہوں۔''

'' سوچتے رہو۔ یوں ہی بوڑھے ہو جاؤ گے۔'' تاجی غصّے کو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

''میری نانی کہا کرتی تھیں کہ طلب سچی ہو تو رائیگاں نہیں جاتی۔ ان کے اس قول کا بھروسہ دل میں لئے لئے پھر رہا ہوں۔''

''نانی کے قول کو مارو گولی۔ میری رائے مانو تو کسی اور کو تلاش کرو۔ تاجی نہیں ملے گی۔ کئی بار کہہ چکی ہوں۔ بے حیائی کی بھی حد ہوتی ہے۔'' تاجی نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔ اس کی آواز میں غصّہ بھی تھا اور بیزار گی بھی۔

''جو بھی کہو۔ میں اپنے اس دل کا کیا کروں تم ہی پر آ گیا ہے۔ کوئی اور

لڑکی آنکھوں میں جچتی ہی نہیں۔''

راجا'' تاجی چیخی۔'' میں کہتی ہوں گاڑی روکو۔ میں یہاں سے پیدل جاؤں گی۔''

'' اس بارش میں۔ چھاتا بھی تو نہیں ہے تمھارے پاس۔ چلو غصّہ تھوک دو۔ وعدہ کرتا ہوں گھر پہنچنے تک کوئی بات نہیں کروں گا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ ایسے میں ضد کرکے گاڑی سے اتر گئی تو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ سوچ کر وہ چپ ہو رہی گھر پہنچنے تک راجا حسب وعدہ خاموش ہی رہا۔ مکان کے دروازے پر گاڑی رکی تو تاجی نے کہا اس تکلیف کے لیے شکریہ اور گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی۔

راجا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور گاڑی اسٹارٹ کرکے لے گیا۔

''روحی'' تاجی نے اپنا ہنڈ بیگ میز پر رکھتے ہوئے پکار کر پوچھا۔ ''چائے تیار ہے کیا .....؟ بہت ٹھنڈ لگ رہی ہے۔''

''تم کپڑے بدل کر آجاؤ..... چائے ابھی تیار ہو جائے گی۔'' رسوئی سے اس کی بہن روحی نے جواب دیا۔

تاجی منہ ہاتھ دھوکر تولیہ سے ہاتھ پونچھتی ہوئی رسوئی میں آبیٹھی تو روحی نے حیرانی سے پوچھا۔''ارے تمھارے کپڑے ذرا نہیں بھیگے جب کہ اتنے زور

کی بارش ہو رہی ہے۔''

''کیا کپڑے بھیگنے ضروری تھے۔'' تاجی نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں نہ تم چھاتا لے گئیں نہ رین کوٹ ..... دادی یہاں بڑی دیر سے گھبرائی سی پھر رہی تھیں۔''

''کس لیے؟'' تاجی نے پوچھا۔

'' بس والوں کی ہڑتال کی خبر سن کر ..... کیسے آئی تم؟ کیا ٹیکسی میں.....''

''ہاں .....''

''کیا ٹیکسی والا مفت لا کے چھوڑ گیا۔ دادی نماز کے لیے گئی تو روپے مجھے دے گئیں۔ٹیکسی کا کرایہ دینے کے لیے۔''

''لاؤ۔ مجھے دے دو۔ روپیوں کی بڑی ضرورت تھی۔'' تاجی مسکرا کر بولی۔

'' تو دادی سے مانگ لو۔ میں نہیں دونگی۔'' روحی بھی مسکرا کر بولی۔

''کہہ دینا ٹیکسی والے کو دے دیے۔وہ اتنی کھوج تھوڑے ہی کریں گی۔''

'' کیوں بہن کو جھوٹ بولنا سکھا رہی ہو۔'' دادی کی بات سن کر دونوں

نے مڑ کر دیکھا تو دروازے پر وہ کھڑی مسکرا رہی تھیں۔

تاجی لپک کر اٹھی اور ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔

''دادی ماں مصلحت آمیز جھوٹ شروع میں جائز ہے یہ روپیے ویسے بھی کوئی ٹیکسی والا لے جاتا۔ میں نے سوچا کہ میں رکھ لوں۔''

'' بڑی شیطان ہے تو۔ میری روحیہ بیٹی کو دیکھ ..... ہے تو تیری جڑواں بہن مگر کیسی سیدھی اور نیک بچّی ہے۔ اور ایک تو ہے .....''

'' میں بھی اچھی ہوں دادی ماں۔ روحی سے بھی زیادہ نیک .....'' تاجی مچل کر بولی۔

'' مان لیا۔ تو بھی اچّھی ہے۔ اب سچ بول کیسے آئی؟''

''وہ ٹیکسی والا ہے نا.... گلا بو چاچی کا بھانجہ ۔ وہ مل گیا۔ لا کے چھوڑ گیا مفت میں۔''

''کون راجا۔ بڑا شریف اور سیدھا لڑکا ہے۔ اری تو اسے اندر بلا کر لانا تو تھا۔ گرم گرم چائے پی کر جاتا بے چارہ۔ پیسہ بھی نہیں لیا اور تو نے جھوٹے منہ چائے کے لیے بھی نہیں پوچھا۔ کیسی بے مروّت ہے تو۔''

''مجھے یہ سب پسند نہیں۔'' تاجی منہ بنا کر بولی۔

''کیا پسند نہیں۔'' عالیہ بانو نے جھڑکتے ہوئے کہا '' انسانیت اور اخلاق

کا تقاضہ کوئی چیز ہے کہ نہیں۔ پھر وہ کوئی اجنبی بھی نہیں ہے۔ ہماری پڑوسن کا سگا بھانجہ ہے۔ عید بقرعید میں برا بر میری دعا لینے آتا ہے۔ میں اسے اپنا بچہ سمجھ کر عیدی بھی دیتی ہوں۔''

''سال میں دو بار تو آتا ہی ہے۔ پر اب وہ اس کوشش میں ہے کہ ہم سے اور زیادہ قریب ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور کا ہمارے گھر میں آنا جانا ہو۔'' تاجی چڑتے ہوئے بولی۔

''تو اس میں برائی کیا ہے۔'' عالیہ بانو نے حیران ہو کر پوچھا۔''کوئی لچا بد معاش نہیں ہے وہ۔ اچھا خاصا شریف لڑکا ہے۔ غریب ٹیکسی چلاتا ہے اپنی روزی کے لئے بہت بڑے اونچے خاندان کا ہے۔ ماں بچپن میں مرگئی۔ سوتیلی ماں سوتیلے بھائی بہنوں نے بہت برا سلوک کیا اس کے ساتھ ورنہ لاکھوں کا مالک ہوتا وہ۔''

''روحی چائے دونا۔'' دادی کی باتیں تاجی کو اچھی نہ لگ رہی تھیں۔

''لو پیو'' روحی نے چائے کی پیالی اس کے آگے رکھتے ہوئے دادی سے پوچھا۔''آپ بھی یہیں بیٹھ کر پئیں گی یا میز پر لے آؤں؟''

'' یہیں بیٹھ جاتی ہوں۔'' انھوں نے کہا اور بڑی مشکل سے نیچے چٹائی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔''تاجی کو روٹی اور گوشت کا قورمہ دے کھانے کو اور مجھے

بھی دے۔ دو پہر میں گھبراہٹ کے مارے کھایا نہ گیا مجھ سے۔ اب بھوک لگ رہی ہے۔''

''گھبراہٹ کیسی دادی ماں۔ میں کوئی ننّھی بچّی نہیں ہوں۔ آجاؤں گی کسی نہ کسی طرح۔''

''ننّھی بچّی نہیں ہو یہی تو بڑے فکر کی بات ہے۔ تجھے نہیں معلوم جب تک تو لوٹ کر نہیں آجاتی میرے دل میں برے برے خیال آتے رہتے ہیں۔ چین اٹھ جاتا ہے میرا۔ اسکول کی پڑھائی تم دونوں کی ختم ہوئی تو میں نے اطمینان کی لمبی سانس لی۔ تب تجھے نگوڑ ماری ٹائپ سیکھنے کا خیال آیا۔ تیری ضد کے آگے میری ایک نہ چلی۔''

''کیسی اچھی ہیں میری دادی ماں۔'' تاجی نے جھٹ ان کے سر کا بوسہ لیتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔ تو وہ ہنس پڑیں۔'' بڑی چالاک ہے تو..... مسکہ مار کر کام نکالنا خوب آتا ہے۔''

روحی نے روٹی اور قورمے کی پلیٹ دونوں کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔'' کھاؤ تاجی۔ بہت مزیدار قورمہ بنایا ہے آج میں نے۔''

'' تو تو ہمیشہ مزیدار ہی بناتی ہے سب کچھ۔ پھر کیوں ہر روز نجمہ سے اور دادی ماں سے اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی تعریف کروانا چاہتی ہے۔''

میں نے کب کہا تعریف کرنے کو .....؟''

کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ عاقل کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔'' تاجی ہنس کر بولی۔

'' چل بڑی آئی عاقل۔'' عالیہ بانو اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے بولیں۔'' تجھ میں عقل ہوتی ہے تو آرام سے گھر بیٹھتی۔''

کیوں ماری ماری پھرتی یوں تپتی دھوپ اور موسلا دھار بارشوں میں ٹائپنگ سیکھنے.....سر پھر گیا ہے تیرا تو .....''

'' بس تھوڑے دن رہ گئے ہیں میرے اسٹینو گرافر بننے میں۔ ڈپلوما کے ملتے ہی کام بھی مل جانے کی امید ہے۔ میری فرینڈ رادھا نے اپنے ڈیڈی کے فرم میں کام دلانے کا وعدہ کیا ہے۔'' تاجی نے مسرت سے بھرپور لہجہ میں کہا۔

'' کیا .....تم کام کروگی.....؟'' عالیہ بانو نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

'' ہاں ....اسی لیے تو دھوپ اور بارش میں ماری ماری پھر رہی ہوں۔ عاقل جو ہوں۔ تاجی مسکرا کر بولی۔ تو وہ بری طرح گھبرا کر برس پڑیں۔''نہیں نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کام کرنے کی۔ میرے دونوں بیٹے اللہ انھیں سلامت رکھے۔ دو ہزار روپیے ہر مہینے بھیج رہے ہیں۔ پھر میں تجھے چار پانچ سو

کی نوکری کرنے کیوں بھیجوں گی۔ اللہ وہ دن نہ لائے.....''

'' دادی ماں۔ آپ سوچتی کیوں نہیں ....؟''

'' کیا سوچوں۔ تیرا سر.....'' دادی غصّے میں آچکی تھیں۔

'' میرا مطلب ہے۔ دونوں چاچا لوگ آج دے رہے ہیں۔ کل کہیں ہاتھ کھینچ لیا تو ..... تاجی ذرا رُک کر افسردگی سے بولی۔ ''میرا دل اس بات سے ڈرنے لگا ہے۔''

'' یہ خیال کیسے آیا تیرے دل میں .....؟'' تاجی کی بات سن کر وہ نرم پڑ گئیں..... اور ملائم لہجہ میں بولیں۔ ''بہت دور کی سوچنے لگی ہے تو .....''

''سوچنے کی بات ہے دادی ماں.....'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''بے کار کی باتیں مت سوچا کر تاج بیٹی۔ میرے بچے ایسے نہیں ہیں۔ تین بیٹیوں کی ماں ہوں میں۔ ایک بیٹا تم دونوں کا باپ، دنیا سے چلا گیا۔ باقی دو جو ہیں، اللہ انھیں لمبی عمر دے۔ ایک لندن میں ہے ایاز بہت بڑا ڈاکٹر ہے۔ اس کا اپنا بڑا سا نرسنگ ہوم ہے۔ دوسرا جو ہے۔ وقار مدراس میں۔ وہ سرکاری وکیل ہے۔ ہزاروں کی آمدنی ہے دونوں کی۔ پھر وہ کیوں .....''

'' ان کی بات چھوڑیے دادی ماں۔ میں چاہتی ہوں میری اپنی بھی کوئی آمدنی ہو۔ محتاجی کی یہ زندگی مجھے ذرا اچھی نہیں لگتی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ رو

پڑنے کو تھی۔

'' چھوڑنا تاجی۔ کھانے کے وقت بے کار کی باتیں چھیڑتی ہے اور کھانا بے مزہ ہو جاتا ہے۔'' روحی نے ڈانٹا۔

''تو اپنا کام کر ..... تیری آنکھیں کبھی نہیں کھلیں گی۔ کام کرنا کھانا اور سو جانا..... یہی آتا ہے تجھے .....'' تاجی بگڑ کر بولی۔

'' تاجی ..... میری بچّی تو سچ بتا یہ خیال تیرے دل میں کیسے آیا؟ وقار اور ایاز دونوں تیرے سگے چاچا ہیں۔ کوئی غیر نہیں۔ بے شک ہم غیروں کے رحم و کرم پر ہوتے تو تیرا ایسا سوچنا ٹھیک .....''

میرا تو کچھ ایسا ہی خیال ہے کہ ہم دونوں بہنیں غیروں کے رحم و کرم پر ہیں۔''

'' تاجی'' عالیہ بانو زور سے گرجیں۔ ''تجھے شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔''

تاجی نے ان کی گرج کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔'' لندن والے ایاز چاچا کے جتنے بھی خط آتے ہیں میں ہی تو آپ کو پڑھ کر سناتی ہوں۔ ان خطوں میں کبھی ایک بار بھی ہم بہنوں کا ذکر نہیں ہوتا نہ سلام نہ دعا کبھی یہ تک نہ پوچھا کہ ان کے بھائی کی دو جڑواں بیٹیاں آپ کے زیر سایہ پل رہی تھیں

کیا ہوئیں۔ زندہ ہیں یا مر کھپ گئیں۔ یہ کتنے بڑے دکھ کی بات ہے۔ ایسی بے اعتنائی ایسا روکھا پن ہم سے کیوں .....؟ اس کا جواب آپ جانتی ہیں مگر بتائیں گی نہیں۔'' تاجی بھرّائی ہوئی آواز میں بولی اور اٹھ کر نل کے پاس ہاتھ دھونے چلی گئی۔

عالیہ بانو تاجی کی باتیں سن کر ایک دم ساکن ہو گئیں تھیں۔ اُن کا جھریوں سے بھرا چہرہ فق پڑ گیا تھا۔ وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھیں۔

اشارے

''نصیب نصیب کی بات'' زلیخا حسین کا لکھا ہوا ناول ہے۔ اس میں ناول نگار نے عام انسان کو ہیرو بنایا ہے۔ زلیخا حسین کے اکثر ناولوں میں عورتوں کے مسائل پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ اس ناول میں بھی عورت کو مرکزی کردار بنایا گیا ہے۔ اس ناول کا خاص کردار عالیہ بانو ہے۔ اس کی دو پوتیاں ہیں روحی اور تاجی۔ دونوں بہنیں دادی کی پناہ میں تھیں۔ دادی نے ان کو پالا پوسا اور بڑا کیا۔

ناول کا پلاٹ نہایت وسیع ہے لیکن سیدھا سادا ہے۔ روز مرّہ کے واقعات ہی اس ناول میں ملتے ہیں۔ عالیہ بانو ستّر سال کی ایک بوڑھی عورت ہے۔ دونوں یتیم لڑکیوں کا سب کچھ دادی ماں تھیں۔ دونوں لڑکیوں کے مستقبل کے بارے میں سوچ کر وہ بڑی پریشان تھیں۔تاجی اور روحی ایک دم مختلف تھیں۔ تاجی اپنی زندگی کے آنے والے دنوں سے بے پرواہ ہو کر جی نہیں سکتی تھی۔ مستقبل کے لیے کچھ منصوبہ کرنا وہ ضروری سمجھتی تھی۔ بے کار کی سوچوں میں الجھنے کو روحی بالکل پسند نہ کرتی تھی۔

تاجی اور روحی عالیہ بانو کے بیٹے حیدر کی اولاد تھیں۔ عالیہ بانو کے دوسرے دو لڑکے ہیں۔ایاز لندن میں ڈاکٹر اور وقار مدراس میں سرکاری وکیل ہے۔ حیدر پہلے ہی مر چکا تھا۔ دونوں چچا اپنے اپنے بھتیجوں سے ہمیشہ بے رخی کرتے تھے۔ دونوں بہنوں کو دادی کے سوا اور کسی کا پیار نہیں ملا۔ عالیہ بانو کو بہت قربانیاں دینی پڑیں۔

دونوں یتیم بچّوں کی خاطر عالیہ بانو کو اپنے رشتے داروں اور وطن کو چھوڑنا پڑا۔ آخر ایاز اور وقار اپنی ماں کو دیکھنے کے لیے ان کے پاس آئے اور دونوں لڑکیوں کو پیار کرنے لگے۔ عالیہ بانو نے اپنے سارے فرائض سے سبکدوش ہو کر اپنا دم توڑ دیا۔

زلیخا حسین

زلیخا حسین کیرالا کی واحد اردو ناول نگار ہیں۔ جنھوں نے ۲۷ ناول آٹھ ناولٹ اور چھوٹے چھوٹے افسانے لکھ کر اردو ادب کے ذخیرے میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے اور کیرالا میں اردو ناول نگاری کی راہ ہموار کی ہے۔ زلیخا حیسن کی پیدائش ۱۹۳۰ء کو کیرالا کے ضلع ایرناکلم میں واقع ایک مقام مٹانچیری میں ہوئی۔ ان کے والد حاجی احمد سیٹھ مشہور سیاست دان اور سماجی مصلح گزرے ہیں۔ ان کے خاندان کے افراد سولہویں صدی کے اواخر میں گجرات سے ہجرت کرکے کوچن آ گئے تھے۔ پھر ان لوگوں نے یہیں مستقل طور پر سکونت اختیار کی۔

زلیخا حسین کی ابتدائی تعلیم کوچن کے آسیہ بائی مدرسہ میں ہوئی۔ اس مدرسے سے انھوں نے قرآن، حدیث کے ساتھ ملیالم اور اردو میں خاص مہارت حاصل کرلی۔ ان کی تعلیم گھر پر ہی جا ری رہی۔ ان کے بیشتر ناول اور افسانے پاکستان کے مختلف رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ اب وہ کتابی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ میرے صنم، ایک پھول اور ہزارغم، راہ اکیلی، تاریکوں کے بعد، نصیب نصیب کی باتیں، کل کیا ہوا وغیرہ ان کے مشہور ناول ہیں۔ ان کا انتقال ۱۵/ جولائی ۲۰۱۴ء کو ہوا۔

ناول

ناول ایک ایسا نثری قصّہ ہے جس میں ہماری حقیقی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہماری امنگین اور آرزوئیں جھلکتی ہیں۔ ناول زندگی کی تصویر کشی کا فن ہے۔ ناول اطالوی زبان کے لفظ ''ناویلا'' سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں نیا۔ یہ نام اسی لیے رکھا گیا کہ ناول ایک نئی چیز تھی۔ اردو میں ناول انگریزی ادب کے راستے سے آیا۔ مولوی نذیر احمد اور پنڈت رتن ناتھ سرشار نے پہلے پہل اردو میں ناول لکھے۔ نذیر احمد کی مراۃ العروس ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی۔ مولوی نذیر احمد نے اردو میں ناول کی بنیاد ڈالی تو پنڈت رتن ناتھ سرشار نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ ان کی سب سے مقبول تصنیف ''فسانہء آزاد'' ہے۔

فنی اعتبار سے ناول کے لیے قصّہ، پلاٹ کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر کشی، نقطہء نظر جیسی بنیادی چیزیں ضروری ہوتی ہیں اردو کے اہم ناول نگاروں میں مرزا ہادی رسوؔا ، راشد الخیریؔ، پریم چند، کرشن چندر، عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

فرہنگ

پناہ	:	حفاظت، سہارا
نقلی	:	Duplicate
رسوائی	:	بدنامی
دم توڑنا	:	مرنا
بھیگ جانا	:	نم دار ہو جانا
تقاضہ	:	ضرورت
مسکہ مارنا	:	بے جا خوشامد کرنا
محتاجی	:	افلاس، غریبی
ساکن	:	بے حرکت
فق پڑنا	:	چہرے کا رنگ اڑ جانا، حیران و پریشان ہوجانا
خشک	:	سوکھا
سانولا رنگ	:	سیاہی رنگ
کوسنا	:	برا بھلا کہنا
روکھاپن	:	سختی، بے رس
پرکشش	:	دلکش
رائگاں	:	بے کار، فضول
چھاتا	:	چھتری

سرگرمیاں

۱) مستقبل کے لیے کچھ منصوبہ کرنا تاجی کیوں ضروری سمجھتی تھی؟

۲) تاجی اور روحی کی گفتگو رول پلے کے ذریعے پیش کیجیے۔

۳) ہڑتال کی بات سن کر تاجی کیا کیا سوچی ہوگی؟

۴) کسی ایک کردار پر مختصر نوٹ لکھیے۔

تاجی، عالیہ بانو، راجا

۵) ناول کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ مختصر نوٹ لکھیے۔

۶) ناول نگار زلیخا حسین پر مختصر نوٹ لکھیے۔

۷) ''ہماری جیب سے پلتے ہیں اور ہم ہی کو ستاتے ہیں۔'' تاجی کا اس خیال کہاں تک صحیح ہے؟ بحث کر کے نوٹ لکھیے۔

۸) ''مکان کے دروازے پر گاڑی رکی تو تاجی نے کہا اس تکلیف کے لیے شکریہ اور گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی۔'' اس وقت راجا نے کیا کیا سوچا ہوگا؟

۹) ''میں چاہتی ہوں میری اپنی بھی کوئی آمدنی ہو۔'' تاجی کے اس قول پر آپ کی رائے واضح کیجیے۔

یونٹ ۱۱

انسانیت سے بڑھ کر کچھ نہیں

اس اکائی میں چار اسباق شامل ہیں۔ پہلا سبق ایک نعت ہے۔ جس میں محمد ﷺ کی تعریف ہے۔ دوسرا سبق غالبؔ کی شخصیت ہے۔ جسے حالیؔ نے لکھا ہے۔ اس میں غالبؔ کی خطوط نگاری، انداز بیان اور ظرافت کے بارے میں بخوبی اشارہ کیا گیا ہے۔ تیسرا سبق میر علی انیسؔ کی رباعی ہے۔ جس میں نیکی اور بدی کے نتائج کا ذکر ہے۔ چوتھا سبق ایک آزاد نظم ہے جس میں انسان کی خود اعتمادی کی وجہ سے اوپر سے اوپر پہنچ جانے کی خواہشیں شامل ہیں۔

عام طور پر اس یونٹ میں انسان اور انسانیت کا بیان ہوا ہے۔ انسانی اقدار ہی آدمی کو انسان بناتے ہیں۔ جن میں یہ اقدار نہیں پائے جاتے وہ جانور سے بھی بدتر ہیں۔ نیکی اور سچائی ہمیشہ رہے گی۔

تعلیمی نتائج

- صحیح لب ولہجہ کے ساتھ مختلف طرزوں میں نعت پیش کرتا ہے۔
- نعتیہ شعر لکھتا ہے۔
- نعت پڑھ کر مفہوم لکھتا ہے۔
- سوانح نگاری پڑھ کر اہم شخصیتوں کے بارے میں معلومات فراہم کر کے نوٹ تیار کرتا ہے۔
- اہم شخصیتوں کی سوانح نگاری تیار کرتا ہے۔
- سوانح نگار ادیبوں کے بارے میں نوٹ تیار کرتا ہے۔
- رباعی پڑھ کر مفہوم لکھتا ہے۔
- رباعی گو شعراء کے بارے میں معلومات فراہم کر کے پیش کرتا ہے۔
- صنفِ رباعی کی خصوصیت پہچان کر نوٹ تیار کرتا ہے۔
- صحیح لب ولہجہ کے ساتھ نظم پڑھتا ہے۔
- نظم کا مفہوم لکھتا ہے۔
- آزاد نظم کے بارے میں نوٹ تیار کرتا ہے۔

سبق ۶

میرے مصطفیٰؐ کا ثانی کوئی دوسرا نہیں ہے
کسی انجمن میں ایسا کوئی آئینہ نہیں ہے
بچّو! یہ شعر کس کی تعریف میں لکھا گیا ہے؟

الامین

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لمّا کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیّاروں میں
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈنے سے ملے گی عاقل کو یہ قران کے سی پاروں میں

مولانا ظفؔر علی خان

مولانا ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خان معروف شاعر، مصنف اور صحافی تھے۔ وہ ۱۹؍جنوری ۱۸۷۳ء کو سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم مشن ہائی اسکول وزیر آباد سے مکمل کی اور گریجویشن علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے ۔ کچھ عرصہ وہ نواب محسن الملک کے معتمد(Secretary) کے طور پر ممبئی میں کام کرتے رہے۔ اس کے بعد مترجم کی حیثیت سے حیدر آباد دکن میں کام کیا۔ اور محکمہء داخلہ Home department کے معتمد کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ اخبار 'دکن ریویو' جاری کیا اور بہت سی کتابیں تصنیف کر کے ایک ادیب اور صحافی کی حیثیت سے اپنا ایک خاص مقام بنایا۔ انھیں 'بابائے صحافتِ اردو' کہا جاتا ہے۔

نعت

نعت اپنے مخصوص موضوع کے اعتبار سے پہچانی جاتی ہے۔ اس کی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہے۔ حضرت محمدؐ کی شان میں کہی جانے والی نظم کو نعت کہا جاتا ہے۔ حضرت محمدؐ کی ذات اور صفات کی تعریف میں کئی شاعروں نے اپنی اپنی تخلیقی قوّت آزمائی ہے۔ عربی شاعری میں اس کا رواج حضرت محمدؐ کے زمانے سے ہی شروع ہوا تھا۔ عقیدے کے طور پر یا ثواب کے لیے ہی نہیں بلکہ رسم و رواج کے طور پر بھی نعت لکھی جاتی رہی ہے۔ مولانا الطاف حسین حالؔی، بشیر بدر، رام پرساد بسملؔ، وغیرہ اردو کے مشہور نعتیہ شعرا ہیں۔

فرہنگ

غار : کھوہ، Cave

ارض وسما : زمین و آسمان

لولاک : مراد یہ ہے کہ اگر محمدؐ نہیں تو

نکتہ ور : عقلمند

کملی والا : حضرت محمدؐ

سی پارہ : اوراق

سرگرمیاں

۱) ظفر علی خان نے اس نظم میں آنحضرتؐ کی کن کن خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔؟

۲) اس نظم کے لیے کوئی مناسب عنوان تجویز کیجیے۔

۳) پسندیدہ کوئی دو نعتیہ اشعار لکھیے۔

۴) کسی ایک مذہبی رہنما پر مختصر نوٹ تیار کیجیے۔

۵) یہ نظم مختلف طرزوں میں سنائیے۔

۶) اس نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۷) چند نعتیں جمع کیجیے۔

حوالہ جات

مسدس حالی الطاف حسین حالی

سبق ۷

بچّو! آپ کو متأثر کیے ہوئے ایک شخص کا نام بتایئے۔
ان کی کون سی خوبی سے آپ متأثر ہیں؟

غالبؔ کی شخصیت

(ماخوذ : یادگارِ غالبؔ)

مرزا کے اخلاق نہایت وسیع تھے۔ وہ ہر ایک شخص سے جو ان سے ملنے جاتا تھا، بہت کشادہ پیشانی سے ملتے تھے۔ جو شخص ایک دفعہ ان سے مل آتا تھا اس کو ہمیشہ ان سے ملنے کا اشتیاق رہتا تھا۔ دوستوں کو دیکھ کر وہ باغ باغ ہو جاتے اور ان کی خوشی سے خوش اور ان کے غم سے غمگین ہوتے تھے۔ اس لیے ان کے دوست ہر ملّت اور ہر مذہب کے، نہ صرف دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں بے شمار تھے۔ جو خطوط انھوں نے اپنے دوستوں کو لکھے ہیں ان کے ایک ایک حرف سے مہر و محبت غم خواری ویگانگت ٹپکی پڑتی ہے۔ ہر ایک خط کا جواب لکھنا وہ اپنے ذمّے فرض عین سمجھتے تھے۔ ان کا بہت سا وقت دوستوں کے خطوں کے جواب لکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ بیماری اور تکلیف کی حالت میں بھی وہ خطوں کے جواب لکھنے سے باز نہ آتے تھے۔ وہ دوستوں کی

فرمائشوں سے کبھی تنگ دل نہ ہوتے تھے۔ غزلوں کی اصلاح کے سوا اور طرح طرح کی فرمائشیں ان کے بعض خالص ومخلص دوست کرتے تھے۔ اور وہ ان کی تعمیل کرتے تھے۔ لوگ ان کو اکثر بیرنگ خط بھیجتے تھے۔ مگر ان کو کبھی ناگوار نہ گزرتا تھا۔ اگر کوئی شخص لفافے میں ٹکٹ رکھ کر بھیجتا تھا تو سخت شکایت کرتے تھے۔

اگر چہ مرزا کی آمدنی قلیل تھی مگر حوصلہ فراخ تھا۔ سائل ان کے دروازے سے خالی ہاتھ بہت کم جاتا تھا ان کے مکان کے آگے اندھے، لنگڑے، لولے اور اپاہج، مرد وعورت ہر وقت پڑے رہتے تھے۔ غدر کے بعد ان کی آمدنی کچھ اوپر ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی ہوگئی تھی۔ اور کھانے پینے کا خرچ بھی کچھ لمبا چوڑا نہ تھا۔ مگر وہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد اپنی بساط سے زیادہ کرتے تھے۔ اس لیے اکثر تنگ رہتے تھے۔

شعرفہمی اور کتاب فہمی میں وہ ایک مستثنیٰ آدمی تھے۔ کیسا ہی مضمون ہو وہ اکثر ایک سرسری نظر میں اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے۔

مرزا حقائق اور معارف کی کتابیں اکثر مطالعہ کرتے تھے اور ان کو خوب سمجھتے تھے۔ نواب ممدوح فرماتے تھے کہ میں شاہ ولی اللہ کا ایک فارسی رسالہ جو حقائق و معارف کے نہایت دقیق مسائل پر مشتمل تھا مطالعہ کر رہا تھا، ایک مقام بالکل سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اتفاقاً اسی وقت مرزا صاحب آنکلے۔ میں نے وہ مقام

مرزا کو دکھایا۔ انھوں نے کسی قدر غور کے بعد اس کا مطلب ایسی خوبی اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی شاید اس سے زیادہ نہ بیان کر سکتے۔

مرزا کی تقریر میں ان کی تحریر اور ان کی نظم و نثر سے کچھ کم لطف نہ تھا اور اسی وجہ سے لوگ ان سے ملنے اور ان کی باتیں سننے کے مشتاق رہتے تھے وہ زیادہ بولنے والے نہ تھے مگر جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا تھا، لطف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ ظرافت مزاج میں اس قدر تھی کہ اگر ان کو بجائے حیوان ناطق کے حیوان ظریف کہا جائے تو بجا ہے۔ حسن بیان، حاضر جوابی اور بات میں سے بات پیدا کرنا ان کی خصوصیات میں سے تھا۔

ایک دفعہ جب رمضان گزر چکا تو قلعہ میں گئے۔ بادشاہ نے پوچھا ''مرزا تم نے کتنے روزے رکھے؟''

عرض کیا '' پیرو مرشد ایک نہیں رکھا۔''

ایک دن نواب مصطفٰے خاں کے مکان پر ملنے کو آئے۔ ان کے مکان کے آگے چھتہ بہت تاریک تھا۔ جب چھتے سے گزر کر دیوان خانہ کے دروازے پر پہنچے تو وہاں نواب صاحب ان کے لینے کو کھڑے تھے۔ مرزا نے ان کو دیکھ کر یہ مصرعہ پڑھا۔

''کہ آب چشمہء حیوان دروں تاریکست''

جب دیوان خانہ میں پہنچے تو اس کے دالان میں بسبب شرق رویہ ہونے کے دھوپ بھری ہوئی تھی۔ مرزا نے وہاں یہ مصرعہ پڑھا۔

''ایں خانہ تمام آفتاب ست''

ایک صحبت میں مرزا میر تقی کی تعریف کر رہے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی موجود تھے۔ انھوں نے سوداؔ کو میرؔ پر ترجیح دی۔ مرزا نے کہا ''میں تو تم کو میری سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں۔''۔

مکان کے جس کمرے میں مرزا دن بھر بیٹھتے اٹھتے تھے وہ مکان کے دروازے کی چھت پر تھا اور اس کے ایک جانب ایک کوٹھری تنگ و تاریک تھی جس کا در اس قدر چھوٹا تھا کہ کوٹھری میں بہت جھک کر جانا پڑتا تھا اس میں ہمیشہ فرش بچھا رہتا تھا اور مرزا اکثر گرمی اور لو کے موسم میں دس بجے سے تین چار بجے تک وہاں بیٹھتے تھے۔ ایک دن جب کہ رمضان کا مہینہ اور گرمی کا موسم تھا۔ مولانا آزردہ ٹھیک دو پہر کے وقت مرزا سے ملنے کو چلے آئے۔ اس وقت مرزا صاحب اسی کوٹھری میں کسی دوست کے ساتھ چوسر یا شطرنج کھیل رہے تھے۔ مولانا بھی وہیں پہنچے اور مرزا کو رمضان کے مہینے میں چوسر کھیلتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگے۔''ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان مقید رہتا ہے مگر آج اس حدیث کی صحت میں تردّد پیدا ہوگیا'' مرزا نے کہا''قبلہ حدیث بالکل صحیح ہے مگر آپ کو معلوم رہے کہ وہ جگہ جہاں شیطان

مقیّد رہتا ہے وہ یہی کوٹھری تو ہے۔''

الغرض مرزا کی کوئی بات لطف وظرافت سے خالی نہ ہوتی تھی۔ اگر کوئی ان کے تمام ملفوظات جمع کرتا تو ایک ضخیم کتاب لطائف وظرافت کی تیار ہو جاتی۔

باوجودیکہ مرزا کی آمدنی اور مقدور بہت کم تھا مگر خود داری وحفظ وضع کو وہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ شہر کے امراء وعمائد سے برابر کی ملاقات تھی۔ کبھی بازار میں بغیر پالکی یا ہوادار کے نہیں نکلتے تھے۔ عمائد شہر میں سے جو لوگ ان کے مکان پر نہیں آتے تھے، وہ بھی کبھی ان کے مکان پر نہیں جاتے تھے اور جو شخص ان کے مکان پر آتا تھا وہ بھی ان کے مکان پر ضرور جاتے تھے۔ ایک روز کسی سے مل کر نواب مصطفٰے خاں مرحوم کے مکان پر آئے۔ میں بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔ نواب صاحب نے کہا 'آپ مکان سے سیدھے یہیں آئے ہیں یا کہیں اور بھی جانا ہوا تھا؟ مرزا نے کہا مجھ کو ان کا ایک آنا دینا تھا اس لیے اوّل وہاں گیا تھا وہاں سے یہاں آیا ہوں؟''

مرزا کی نہایت مرغوب غذا گوشت کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ وہ ایک وقت بھی بغیر گوشت کے نہیں رہ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ مسہل کے دن بھی انھوں نے کھچڑی یا شولہ کبھی نہیں کھایا اخیر میں ان کی خوراک بہت کم ہو گئی تھی۔ صبح کو وہ اکثر شیرۂ بادام پیتے تھے۔ دن کو جو کھانا ان کے لیے گھر میں

سے آتا تھا اس میں صرف پاؤ سیر گوشت کا قورمہ ہوتا تھا۔ ایک پیالہ میں بوٹیاں دوسرے میں لعاب یا شوربا ایک پیالے میں ایک پھلکے کا چھلکا شوربے میں ڈوبا ہوا۔ ایک پیالی میں کبھی کبھی ایک انڈے کی زردی، ایک اور پیالی میں دو تین پیسے بھری دہی اور شام کو کسی قدر شامی کباب یا سیخ کے کباب۔ بس اس سے زیادہ ان کی خوراک اور کچھ نہ تھی۔

ایک روز دو پہر کا کھانا آیا اور دسترخوان بچھا۔ برتن تو بہت سے تھے مگر کھانا نہایت قلیل تھا۔ مرزا نے مسکرا کر کہا ' اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجیے گا تو میرا دسترخوان یزید کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے اور جو کھانے کی مقدار کو دیکھیے گا تو بایزید کا'

فواکہ میں آم ان کو نہایت مرغوب تھا۔ آموں کی فصل میں ان کے دوست دور دور سے ان کے لیے عمدہ عمدہ آم بھیجتے تھے اور وہ خود اپنے بعضے دوستوں سے تقاضہ کر کے آم منگواتے تھے۔

ایک روز مرحوم بہادرشاہ آموں کے موسم میں چند مصاحبوں کے ساتھ جن میں مرزا بھی تھے۔ باغ حیات بخش یا مہتاب باغ میں ٹہل رہے تھے۔ آم کے پیڑ رنگ برنگ کے آموں سے لد رہے تھے یہاں کا آم بادشاہ یا سلاطین یا بیگمات کے سوا کسی کو میسر نہیں آسکتا تھا۔ مرزا بار بار آموں کی طرف غور سے دیکھتے تھے۔ بادشاہ نے پوچھا۔ ''مرزا اس قدر غور سے کیا دیکھتے ہو؟'' مرزا نے

ہاتھ جوڑ کر عرض کیا ''پیرومرشد! یہ جو کسی بزرگ نے کہا ہے۔

برسرِ ہر دانہ بنو شتہ عیاں

کایں فلاں ابن فلاں ابنِ فلاں

اس کو دیکھتا ہوں کہ کسی دانے پر میرا اور میرے باپ دادا کا نام بھی لکھا ہے یا نہیں'' بادشاہ مسکرائے اور اسی روز ایک بہنگی عمدہ عمدہ آموں کی مرزا کو بھجوائی۔

حکیم رضی الدّین خاں جو مرزا کے نہایت دوست تھے ان کو آم نہیں بھاتے تھے۔ ایک دن وہ مرزا کے مکان پر برآمدے میں بیٹھے تھے اور مرزا بھی وہیں موجود تھے۔ ایک گدھے والا اپنے گدھے لیے ہوئے گلی سے گزرا۔ آم کے چھلکے پڑے تھے۔ گدھے نے سونگھ کر چھوڑ دیا۔ حکیم صاحب نے کہا ''دیکھیے آم ایسی چیز ہے جسے گدھا بھی نہیں کھاتا۔'' مرزا نے کہا ''بیشک گدھا نہیں کھاتا۔''

ایک دن سید سردار مرزا مرحوم شام کو چلے آئے جب تھوڑی دیر ٹھہر کر وہ جانے لگے تو مرزا خود اپنے ہاتھ میں شمعدان لے کر کھسکتے ہوئے لبِ فرش تک آئے تاکہ روشنی میں جوتا دیکھ کر پہن لیں۔ انھوں نے کہا ''قبلہ و کعبہ! آپ نے کیوں تکلیف فرمائی؟ میں اپنا جوتا آپ پہن لیتا۔'' مرزا نے کہا ''میں آپ کا جوتا دکھانے کو شمعدان نہیں لایا بلکہ اس لیے لایا ہوں کہ کہیں آپ میرا جوتا

نہ پہن جائیں۔''

اگرچہ شاعر کی حیثیت سے انھوں نے شراب کی جابجا تعریف کی ہے مگر اعتقاداً وہ اس کو بہت برا جانتے تھے اور اپنے اس فعل پر سخت نادم تھے، باوجود اس کے انھوں نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپایا نہیں۔

شراب کے متعلق ان کی ظرافت آمیز باتیں بہت مشہور ہیں، ایک شخص نے ان کے سامنے شراب کی نہایت مذمت کی اور کہا کہ شراب خوار کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ مرزا نے کہا ''بھائی جس کو شراب میسر ہے اس کو اور کیا چاہیے جس کے لیے دعا مانگے۔''

مولانا الطاف حسین حالؔی

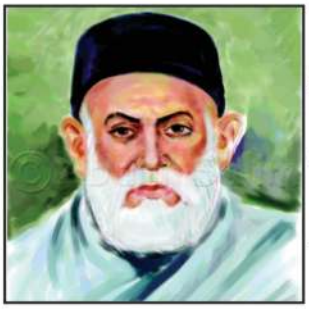

مولانا الطاف حسین نام اور حالؔی تخلص ہے۔ وہ ۱۸۳۷ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔ علم کی طلب اور شعرو سخن کا ذوق انھیں دہلی لایا۔ یہاں انھوں نے نواب مصطفےٰ خان شیفتہؔ اور مرزا غالبؔ جیسے شخصیتوں سے فیض حاصل کیا۔ وہ اردو کے پہلے نقاد، نئے انداز کے سوانح نگار اور صاحبِ طرزِ انشا پرداز ہی نہیں ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ حیاتِ جاوید، حیات سعدی اور یادگارِ غالبؔ ان کی مشہور سوانح عمریاں ہیں۔ اردو کی پہلی تنقیدی کتاب مقدمہ شعر و شاعری، مسدسِ حالؔی کے نام سے مانی جانے والی مشہور کتاب مدوجزرِ اسلام وغیرہ کئی تصانیف کے وہ مالک ہیں۔ان کے کلام میں سادگی، درد مندی اور جذبات کی پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ ان کا انتقال دہلی میں ۱۹۱۴ء کو ہوا۔

سوانح نگاری

سوانح نگاری در اصل مشہور و معروف ہستیوں کی اصل فطرت وسیرت کو قلمبند کرنے کا فن ہے۔ اس میں کسی شخص کی پیدائش سے لے کر اس کی موت تک کے حالات غیر جانبداری سے بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

سوانح نگاری ایک مشکل فن ہے۔ مصنّف کو سوانح لکھتے وقت اس شخص کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیوں کا بھی تذکرہ کرنا پڑتا ہے۔ اردو کے ابتدائی سوانح نگار حالؔی، شبلؔی اور ذکاء اللہ ہیں۔ ابو الکلام آزاد، قاضی عبد الغفّار وغیرہ نے اس صنف کو فروغ دیا۔

حالؔی نے ممتاز ادبی شخصیتوں کے سوانح لکھے ہیں مثلاً حیاتِ سعدی (۱۸۸۶) یادگارِ غالب (۱۸۹۷) اور حیاتِ جاوید (۱۹۰۱)۔ یہ مضمون' غالبؔ کی شخصیت' 'یادگارِ غالب' سے اخذ کیا گیا ہے۔ حالؔی نے اردو میں سوانح نگاری کا نیا راستہ کھولا۔

حوالہ جات

یادگار غالبؔ — حالؔی

دیوان غالبؔ — غالبؔ

فرہنگ

کشادہ پیشانی	:	چوڑے اور کھلے ہوئے ماتھے والا
اشتیاق	:	شوق، آرزو، تمنّا
غم خواری	:	دکھ درد میں شرکت
یگانگت	:	قرابت
ذمّہ	:	responsibility
فرض عین	:	نہایت ضروری کام
تنگ دل ہونا	:	کم حوصلہ ہونا
خالص ومخلص	:	Sincere
تعمیل کرنا	:	حکم بجا لانا، عمل کرنا
بیرنگ خط	:	وہ خط جس کا محصول ادا نہ کیا ہو
حوصلہ فراخ	:	بڑا ہمت والا
سائل	:	مانگنے والا
لولا	:	اپاہج، جس کا اور پیر ہاتھ نہ ہو
اپاہج	:	handicaped
دقیق	:	مشکل
دالان	:	بڑا اور لمبا کمرہ جس میں محراب دار دروازے ہوتے ہیں

ترجیح دینا : بہتر سمجھنا، فصیلت دینا

لوکا موسم : گرمی کا موسم

ملفوظات : زبان سے بولی ہوئی باتیں

عمائد : قوم کے سردار

پالکی : ڈولی Palaquin

مسہل : Loose motion

پھلکا : ہل کی پھولی ہوئی چپاتی

فواکہ : fruits

مرغوب : پسندیدہ

شولہ : گوشت آمیز کھچڑی

سیخ : لوہے کی سلاخ جس پر کباب بھونتے ہیں

رقعات : Letters, notes

نادم : شرمندہ

بوٹی : کوشت کا ٹکڑا

لعاب : شوربا

کھسکنا : چپکے سے نکل جانا

سرگرمیاں

۱) اس سوانح عمری میں آپ غالبؔ کے بہت سے لطیفے سنے اور پڑھے ہیں۔ اسی طرح چند لطیفے تیار کر کے پیش کیجیے۔

۲) دیگر چند سوانح عمریوں کے نام لکھیے۔

۳) سوانح نگاری اور آپ بیتی میں کیا فرق ہے؟

۴) اس سوانح عمری میں حالیؔ نے غالبؔ کی بہت سی خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان خوبیوں کا ذکر کیجیے۔

۵) آپ کی زندگی میں بھی ایسی شخصیتیں آئی ہوں گی۔ جن سے ہمیشہ ملنے کا اشتیاق رہتا ہے۔ ایسی ایک شخصیت کی خصوصیات لکھیے۔

۶) ہمارے سماج میں کئی اپاہج، لنگڑے یا لولے ہیں۔ آپ کس طرح ان کی مدد کر سکتے ہیں؟

۷) مرزا نے کہا ''قبلہ، حدیث بالکل صحیح ہے مگر آپ کو معلوم رہے وہ جگہ جہاں شیطان مقید رہتا ہے وہ یہی کوٹھری تو ہے۔''
غالبؔ کے اس لطیفے کے بارے میں آپ کے خیالات کی وضاحت کیجیے۔

۸) پھلوں کا راجا کون ہے؟ پھلوں میں آپ کا زیادہ پسندیدہ پھل کے بارے میں چند جملے لکھیے۔

سبق ۸

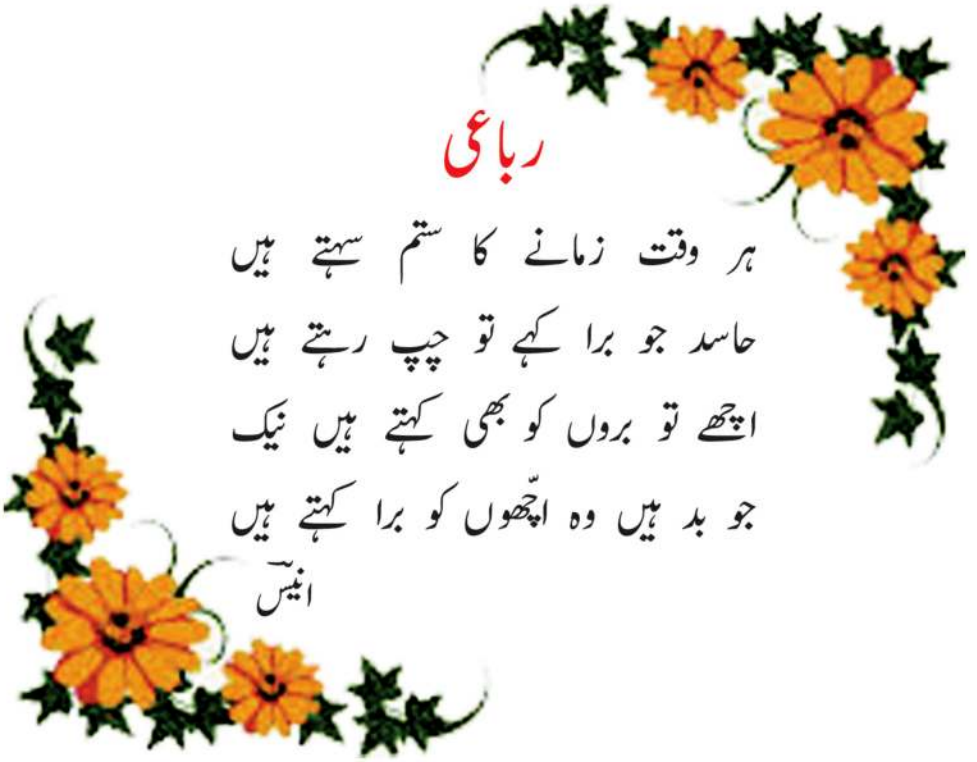

رباعی

ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں
حاسد جو برا کہے تو چپ رہتے ہیں
اچھے تو بروں کو بھی کہتے ہیں نیک
جو بد ہیں وہ اچّھوں کو برا کہتے ہیں

انیسؔ

میر ببر علی انیسؔ

1802-1874

میر ببر علی انیسؔ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ انیسؔ کے اجداد دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار اردو کے اعلیٰ ترین شعرا میں ہوتا ہے۔ انیسؔ نے مرثیہ گوئی کو ایک اعلیٰ فن کا درجہ دیا۔ میر انیسؔ کا مطالعہ وسیع تھا۔ وہ ایک قادرالکلام شاعر اور ماہر فن کار تھے۔ زبان پر انھیں بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ لفظوں کے انتخاب اور استعمال میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ ایک بات کو کئی کئی ڈھنگ سے ادا کرنے میں ماہر تھے۔ رباعی کے علاوہ مرثیے کی صنف میں بھی انیسؔ نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی تھی۔

انیسؔ کی رباعیوں میں فلسفہ اور تصوف کے موضوعات ملتے ہیں۔ سلاست و روانی میں ان کی زبان ضرب المثل ہے۔ لفظوں کے انتخاب اور استعمال میں آج تک انیسؔ کا ثانی پیدا نہ ہوا۔ میر انیسؔ کا انتقال ۱۸۷۴ء کو لکھنؤ میں ہوا۔

سرگرمیاں

۱) میر ببر علی انیسؔ کی شاعری کی خصوصیات پر مختصر نوٹ تیار کیجیے۔

۲) میر ببر علی انیسؔ کی اس رباعی کا مرکزی خیال واضح کیجیے۔

۳) آج کل اس دنیا سے نیکی غائب ہوتی جا رہی ہے۔ لوگوں میں تنگ دلی اور خود غرضی بڑھ رہی ہے۔ اس پس منظر میں آپ کے خیالات کا اظہار کیجیے۔

۴) میر ببر علی انیسؔ کی کوئی ایک اور رباعی لکھیے ۔

۵) میر ببر علی انیسؔ کی اس رباعی کا پیغام کیا ہے؟

۶) اپنی پسند کی چند رباعیاں جمع کیجیے۔

۷) دنیا میں نیکی پھیلانے کے لیے چند تجاویز پیش کیجیے۔

۸) میر ببر علی انیسؔ نے اس رباعی میں انسان ہر وقت زمانے کا ستم سہتے ہیں۔ کہا ہے، انسان زندگی میں کیا کیا ستم سہتے ہیں؟ (پانچ جملے لکھیے)

حوالہ جات

رباعیات انیسؔ — میر ببر علی انیسؔ

سبق ۹

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
اس شعر کے بارے میں آپ کے خیالات واضح کیجیے۔

عجیب آدمی تھا وہ

عجیب آدمی تھا وہ
محبتوں کا گیت تھا بغاوتوں کا راگ تھا
کبھی وہ صرف پھول تھا کبھی وہ صرف آگ تھا
عجیب آدمی تھا وہ
وہ مفلسوں سے کہتا تھا
کہ دن بدل بھی سکتے ہیں
وہ جابروں سے کہتا تھا
تمھارے سر پہ سونے کے جو تاج ہیں
کبھی پگھل بھی سکتے ہیں
وہ بندشوں سے کہتا تھا
میں تم کو توڑ سکتا ہوں

سہولتوں سے کہتا تھا
میں تم کو چھوڑ سکتا ہوں
ہواؤں سے وہ کہتا تھا
میں تم کو موڑ سکتا ہوں
ترے ساتھ ہی چلوں گا میں
تو چاہے جتنی دور بھی بنائے اپنی منزل
کبھی نہیں تھکوں گا میں
وہ زندگی سے کہتا تھا
کہ تجھ کو میں سجاؤں گا
تو مجھ سے چاند مانگ لے
میں چاند لے کے آؤں گا
وہ آدمی سے کہتا تھا
کہ آدمی سے پیار کر
اجڑ رہی ہے یہ زمین
کچھ اس کا اب سنگار کر
عجیب آدمی تھا وہ

جاوید اختؔر

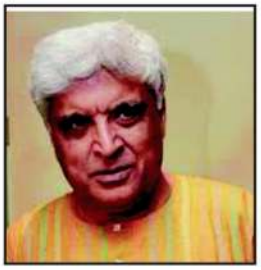

فلمی دنیا کے اردو شعرا میں جاوید اختؔر کا نام قابلِ تعریف ہے۔ وہ اتر پردیش کے ایک شہر سیتا پور میں ۱۹۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے مٹریکلیشن پاس کیا۔ پھر ۱۹۶۴ء میں ممبئی پہنچے۔ اور فلمی دنیا میں اپنے قدم رکھے۔ کئی فلموں کے لیے انھوں نے تبصرے لکھے۔ سلیم خان سے مل کر وہ فلمی دنیا میں اپنے جوہر دکھائے۔ عشق اور فلسفہ ان کے خاص موضوعات ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں انھیں ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

فرہنگ

پگھلنا : نرم ہونا Melting

بندش : بندھن

سنگار : سجاوٹ Makeup

سرگرمیاں

۱) آزاد نظم اور پابند نظم میں کیا فرق ہے؟

۲) جاوید اختؔر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۳) شاعر کہتا ہے کہ ''کبھی وہ صرف پھول تھا کبھی وہ صرف آگ تھا''۔
اس پر بحث کیجیے۔

۴) عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
نظم 'عجیب آدمی تھا وہ' کے مدّ نظر اس شعر کی وضاحت کیجیے۔

۵) اس نظم کا پیغام کیا ہے؟

یونٹ III

ایک گلستان ہے ہندوستان

ہندوستان کئی ریاستوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اجنبی کو بھی بڑے پیار سے خوش آمدید کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں حق اور وحدت کی آواز گونجتی ہے۔ یہ گلستان ہمارا ہے۔ اس اکائی کا پہلا سبق 'ملاقات کا وعدہ' جواہر لال نہرو کی تقریر ہے۔دوسرا سبق جان نثار اختؔر کی نظم 'اتحاد' ہے۔تیسرا سبق 'سفر نامہ ابن بطوطہ' ہے۔ آخری سبق ابراہیم ذوقؔ کا قصیدہ ہے۔

تعلیمی نتائج

- پسندیدہ موضوع پر تقریر پیش کرتا ہے۔
- صحیح تلفظ کے ساتھ تقریر کرتا ہے۔
- محل و موقع کے مطابق تقریر تیار کرتا ہے۔
- نظم پڑھ کر لطف اندوز ہوتا ہے۔
- اشعار کا مفہوم اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے۔
- سفر نامہ پڑھ کر مفہوم سمجھتا ہے۔
- سفر نامہ کی خصوصیت پر نوٹ تیار کر کے پیش کرتا ہے۔
- سفر نامہ پڑھ کر تنقیدی نوٹ تیار کرتا ہے۔
- سفر نامہ پڑھ کر تحسینی نوٹ تیار کرتا ہے۔
- سفر نامہ تیار کرتا ہے۔
- مشہور سیاح کے بارے میں معلومات حاصل کر کے پیش کرتا ہے۔
- قصیدہ پڑھ کر تحسینی نوٹ تیار کرتا ہے۔
- قصیدہ پڑھ کر مطلب لکھتا ہے۔
- قصیدہ کی خصوصیت سمجھ کر نوٹ تیار کرتا ہے۔
- قصیدہ گو شعرا پر نوٹ تیار کرتا ہے۔

سبق ۱۰

ملاقات کا وعدہ

آپ نے بہت ساری تقریریں سنی ہوں گی۔ آپ کا پسندیدہ مقرر کون ہے؟ کیوں؟

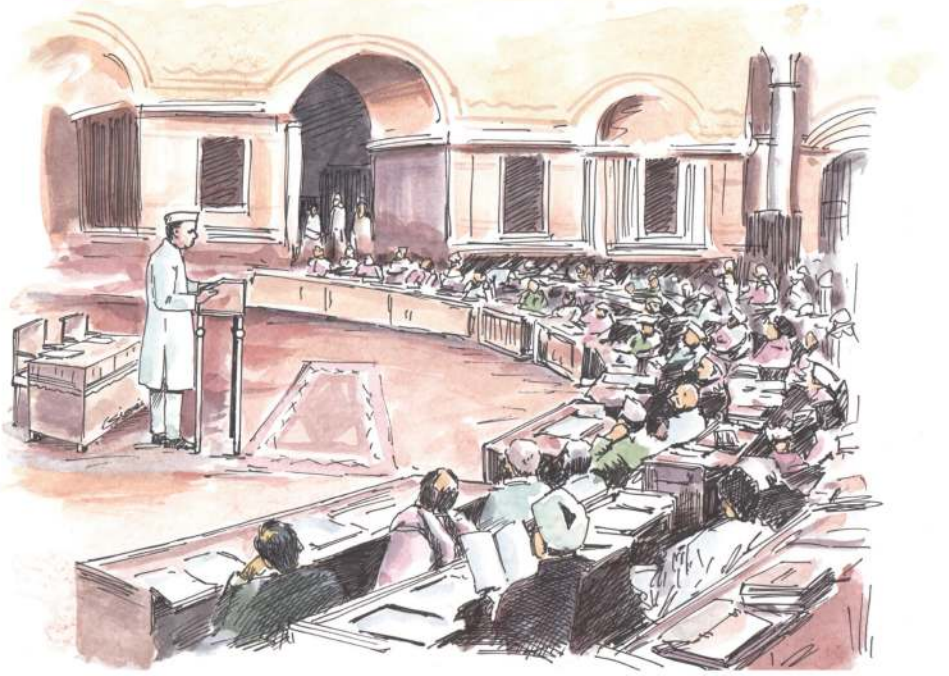

کئی سال پہلے ہم نے مقدّر سے ملنے کا جو وعدہ کیا تھا، اس کو پوری طرح نہ سہی لیکن بہت حد تک نبھانے کا وقت اب آچکا ہے۔ آج جب آدھی رات کی گھنٹی بجے گی اور ساری دنیا سو رہی ہوگی تو ہندوستان اپنے وجود اور آزادی کی نئی صبح کے ساتھ جاگ اٹھے گا۔

ایسی گھڑی تو تاریخ میں بہت ہی کم آتی ہے۔ قدیم سے جدید کی طرف بڑھنے کے لیے جب ہم قدم بڑھانے لگے تو ایسا لگا کہ ایک دور ختم ہو چکا ہے اور کئی سالوں سے دبا کے رکھے گئے ایک ملک کی روح بولنے لگی ہے کہ تاریخ میں بہت کم پیش آنے والی ایک اچھی ساعت اب آچکی ہے۔ اس مقدّس موقع پر ہم دل سے ہندوستان اور اس کے عوام کی اور اس سے بڑھ کر ساری انسانیت کی خدمت کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

تاریخ کے آغاز کے ساتھ ہی ہندوستان نے اپنی لا محدود کھوج شروع کی اور اپنی کامیابیوں اور ناکامیابیوں اور اپنے عظیم کارناموں سے ویران صدیوں کو پُر کیا۔ چاہے اچھا وقت ہو یا برا ہندوستان نے کبھی بھی اس جد وجہد سے اپنی نظر نہیں ہٹائی۔ اور نہ کبھی اپنے ان اصولوں کو نہ بھولا جس نے اس کو قوّت بخشی۔ آج ہم بدقسمتی کے ایک عہد کو ختم کر رہے ہیں اور ہندوستان اپنے آپ کو دوبارہ انکشاف کر رہا ہے۔

آج ہم جن کامیابیوں کا جشن منا رہے ہیں وہ صرف ایک قدم ہے، نئے موقعوں کے کُھلنے کا۔ اس سے بھی بڑی جیت اور کامیابیاں ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔ کیا ہم میں اس موقع کو سمجھنے اور مستقبل کے دعوں کو قبول کرنے کی اتنی طاقت اور عقلمندی ہے؟

آزادی اور اقتدار اپنے ساتھ ذمہ داریاں بھی لاتی ہیں۔ وہ ذمہ داریاں ہندوستان کے عظیم عوام کی نمائندگی کرنے والی دستورساز اسمبلی پر ہیں۔ آزادی ملنے سے پہلے ہم نے سارے درد کو برداشت کیا ہے اور ہمارے دل ان دردوں کی یاد سے بھاری ہیں۔ ان میں چند درد اب بھی جاری ہیں۔

حالانکہ زمانہء ماضی ہم سے نکل گیا ہے اور زمانہء مستقبل ہمیں بلا رہا ہے۔ لیکن آنے والا مستقبل آرام اور سکون کے لیے نہیں۔ بلکہ لگاتار کوشش اور جدوجہد کا ہے تاکہ جو وعدے ہم بار بار دہراتے ہیں اور جنھیں آج بھی ہم دہرائیں گے انھیں پورا کرسکیں۔

ہندوستان کی خدمت کا مطلب ہے لاکھوں کروڑوں مصیبت زدہ لوگوں کی خدمت کرنا ، غریبی اور جہالت کو مٹانا، بیماریوں اور غیر مساویانہ حالات کو مٹانا۔ ہماری نسل کے سب سے عظیم شخصیت کی یہی خواہش رہی ہے کہ ہر ایک آنکھ سے آنسو مٹ جائیں۔ شاید یہ ہمارے لیے ناممکن ہو مگر جب تک لوگوں کی آنکھوں میں آنسو اور مصیبتیں رہیں گی تب تک ہمارا کام ختم نہیں ہوگا۔

اس لیے ہمیں سخت محنت کرنی ہوگی تاکہ ہم اپنے خوابوں کی تعبیر کر سکیں۔ وہ خواب صرف ہندوستان کے لیے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ آج کوئی خود کو بالکل الگ نہیں سوچ سکتا کیوں کہ سبھی ممالک اور لوگ

ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ امن کو اٹوٹ چیز کہا گیا ہے۔ اسی طرح آزادی اور خوش حالی کو بھی۔ اب اس دنیا کو چھوٹے چھوٹے حصّوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ حقیر اور تباہ کن نکتہ چینیوں کا وقت نہیں ہے۔ ہمیں آزاد ہندوستان کے ایک عظیم اور مقدّس محل کی تعمیر کرنا ہے، جہاں اس کے سارے بچّے امن و امان کے ساتھ رہ سکیں۔ اس عظیم کوشش میں پر اعتماد اور پکّے یقین کے ساتھ ہمارا ساتھ دینے کے لیے ہمارے لوگوں کو باشعور کریں۔

پنڈت جواہر لال نہرو

پنڈت جواہر لال نہرو ۱۴؍نومبر ۱۸۸۹ء کو الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی ملک کی آزادی اور ترقی کے لیے وقف کردی۔ ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو پنڈت نہرو آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم چنے گئے۔ وہ ایک مصنف تھے اور مفکر بھی۔ اپنی تخلیقات میں وہ بہت خوب صورت شاعرانہ زبان استعمال کرتے تھے۔ میری سوانح حیات، دنیا کی تاریخ کی چند جھلکیاں، ہندوستان اور دنیا، ہندوستان کی دریافت وغیرہ کتابوں نے انھیں دنیا کے عظیم ادیبوں کی صف میں کھڑا کر دیا اور انھیں کئی انعامات سے بھی نوازا گیا۔بچّوں کے ساتھ انھیں خاص لگاؤ تھا۔اس لیے ۱۴ نومبر ہندوستان میں یوم اطفال کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم کی حیثیت سے جواہر لال نہرو نے ۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء کی آدھی رات کو دستور ساز اسمبلی (Constituent Assembly) دہلی میں یہ تقریر کی تھی۔ یہ تاریخی تقریر آزاد ہندوستان کی پہلی آواز کے طور پر جانی پہچانی جاتی ہے۔

فرہنگ

نبھانا : پورا کرنا

ساعت : پل، لمحہ

انکشاف : ظاہر ہونا

دستور ساز اسمبلی : Constituent Assembly

غیر مساویانہ : inequal

سرگرمیاں

۱) پنڈت نہرو ہندوستان کی آزادی کی ساعت کو کن الفاظ میں بیان کرتے ہیں؟

۲) ہندوستان کو قوّت بخشنے والے اصول کیا کیا ہیں؟

۳) ہندوستان کے عظیم اور مقدّس محل کو تعمیر کرنے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟

۴) آزاد ہند کے مسائل پر وزیرِ اعظم کے نام ایک خط لکھیے۔

۵) ''ہم اپنے حقوق پر زیادہ توجہ دیتے ہیں مگر ذمّہ داریوں پر نہیں'' اس پر اپنا خیال واضح کیجیے۔

۶) ۱۴/نومبر یوم اطفال کے موقعہ پر آپ کو بچّوں کے وزیر اعظم کے طور پر چن لیا گیا۔ اس موقع پر پیش کرنے کے لیے ایک تقریر تیار کیجیے۔

حوالہ جات

ہندوستان کی دریافت — جواہر لال نہرو

സി.എച്ചിന്റെ നിയമസഭാപ്രസംഗങ്ങൾ

സുകുമാർ അഴീക്കോടിന്റെ പ്രസംഗങ്ങൾ

Speeches in World History - Suzanne Mc INTIRE

سبق ۱۱

''ہندوستان ایک ایسی دلہن ہے جس کی ایک آنکھ مسلمان ہے تو دوسری آنکھ ہندو ہے۔ ان میں سے ایک آنکھ ٹوٹ گئی تو وہ دلہن بدصورت بن جائے گی۔''

سر سید احمد خان

بچّو! اس قول پر آپ کے کیا خیالات ہیں؟

اتّحاد

یہ دیس کہ ہندو اور مسلم تہذیبوں کا شیرازہ ہے
صدیوں پرانی بات ہے یہ، پر آج بھی کتنی تازہ ہے
تاریخ ہے اس کی، ایک عمل تحلیلوں کا ترکیبوں کا
سمبندھ وہ دو آدرشوں کا، سنجوگ وہ دو تہذیبوں کا
وہ ایک تڑپ، وہ ایک لگن، کچھ کھونے کی، کچھ پانے کی
وہ ایک طلب، دو روحوں کے اک قالب میں ڈھل جانے کی
یوں ایک تجلی جاگ اٹھی نظروں میں حقیقت والوں کی
جس طرح حدیں مل جاتی ہوں، دوسمت سے دو اُجیالوں کی

آوازۂ حق، جب لہرا کر بھکتی کا ترانہ بنتا ہے
یہ ربطِ بہم، یہ جذب دروں خود ایک زمانہ بنتا ہے
چشتی کا، قطبؔ کا ہر نعرہ یک رنگی میں ڈھل جاتا ہے
ہر دل پہ کبیرؔ اور تلسیؔ کے دوہوں کا فسوں چل جاتا ہے
یہ فکر کی دولت روحانی وحدت کی لگن بن جاتی ہے
نانکؔ کا کبِت بن جاتی ہے، میراؔ کا بھجن بن جاتی ہے
دل دل سے جو ہم آہنگ ہوئے، اطوار ملے، انداز ملے
اک اور زباں تعمیر ہوئی، الفاظ سے جب الفاظ ملے
یہ فکر و ادب کی رعنائی، دُنیائے ادب کی جان بنی
یہ میرؔ کا فن، چکبستؔ کی لے، غالبؔ کا امر دیوان بنی
تہذیب کی اس یک جہتی کو اردو کی شہادت کافی ہے
کچھ اور نشاں بھی ملتے ہیں، تھوڑی سی بصیرت کافی ہے
تعمیر نئی وحدت ہوگی، مانوتا کی بنیادوں پر
اے ارضِ وطن! وِشواس تو کر اک بار ہمارے وعدوں پر
اس وحدت، اس یک جہتی کی تعمیر کا دن ہم لائیں گے
صدیوں کے سنہرے خوابوں کی تعبیر کا دن ہم لائیں گے

جاں نثار اخترؔ

جاں نثار اختؔر

جاں نثار اختؔر کا شمار اردو کے اہم ترقی پسند شاعروں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے نظمیں، غزلیں اور رباعیاں کہی ہیں۔ ان کی نظمیں بہت پُر اثر ہیں۔ سید جاں نثار حسین رضوی نام اور اختؔر تخلص ہے۔ جاں نثار اختر کی پیدائش ۱۹۱۴ء میں گوالیار میں ہوئی ۔ ان کے والد مضطؔر خیر آبادی اور تایا بسمل خیر آبادی دونوں شاعر تھے۔ جاں نثار اختؔر نے دسویں جماعت تک تعلیم گوالیار کے وکٹوریہ کالیجیٹ ہائی اسکول میں حاصل کی۔ علی گڈھ سے بی اے کیا۔ ۱۷ اگست ۱۹۷۶ء کو ممبئی میں دل کا دورہ پڑنے سے انکا انتقال ہو گیا۔

وطنی، قومی اور سیاسی نظموں میں ان کے جذبات اور لہجے کی لطافت کا احساس ہوتا ہے۔ سلاسل، تارِ گریاں، نذرِ بتاں، جاوِ داں، گھر آنگن، خاکِ دل اور پچھلے پہر ان کے شعری مجموعے ہیں۔ انھوں نے بہت سی فلموں کے گیت بھی لکھے ہیں۔

فرہنگ

تحلیل : گھلنا، علیٰحدہ علیٰحدہ ہونا

سنجوگ : میل ملاپ، اتفاق

قالب : سانچا، ڈھانچہ

وحدت	:	یکتائی، اکیلا پن
رعنائی	:	خود آرائی، وضع داری
تہذیب	:	شائستگی، خوش اخلاقی، کلچر
آوازہ	:	شور وغل
بہم	:	اکٹھے، ایک دوسرے کے ساتھ
ہم آہنگ	:	Harmony
اطوار	:	طور کی جمع، چال چلن، روشن
یکجہتی	:	اتحاد، اتفاق
شہادت	:	گواہی، راہِ خدا میں شہید ہونا
نغمہ	:	گیت، ترانہ
سنہرے	:	زرین، سونے کے رنگ کا

سرگرمیاں

۱) نظم 'اتحاد' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۲) یومِ آزادی کے موقع پر آپ کے اسکول میں 'قومی یک جہتی اور اردو زبان' کے موضوع پر ایک سمینار ہونے والا ہے۔ اس کے لیے ایک مقالہ تیار کیجیے۔

۳) اس نظم سے ہم وزن الفاظ چن کر لکھیے۔

۴) ذیل کے اشعار کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

یہ فکر و ادب کی رعنائی، دُنیائے ادب کی جان بنی
یہ میرؔ کا فن، چکبستؔ کی لے، غالبؔ کا امر دیوان بنی

تہذیب کی اس یک جہتی کو اردو شہادت کافی ہے
کچھ اور نشاں بھی ملتے ہیں، تھوڑی سی بصیرت کافی ہے

۵) یہ دیس کہ ہندو اور مسلم تہذیبوں کا شیرازہ ہے
صدیوں پرانی بات ہے یہ، پر آج بھی کتنی تازہ ہے

موجودہ حالات کے مدّ نظر شاعر کا کہنا کہاں تک صحیح ہے۔ بحث کر کے نوٹ تیار کیجیے۔

۶) شاعر اس نظم کے ذریعے کیا پیغام دینا چاہتا ہے؟

۷) جاں نثار اخترؔ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۸) اردو کے چند جدید شعرا کے نام لکھیے۔

حوالہ جات

کلیات اقبالؔ — علامہ اقبالؔ
گھر آنگن — جاں نثار اخترؔ

سبق ۱۲

ملباری مٹھاس کی طرف

بچّو! آپ اپنی زندگی میں کیے ہوئے کسی ایسے سفر کے تجربات بتایئے۔ جو کبھی نہیں بھول سکے۔

تین دن کے بعد ملبار کی سرحد میں پہنچے۔ یہ وہ ملک ہے جہاں سیاہ مرچ پیدا ہوتی ہے۔ اس ملک کا طول دو مہینے کا رستہ ہے۔ سڑک پر برابر دو رویہ درخت ہیں۔ پھر نصف میل کے بعد ایک لکڑی کا مکان آتا ہے۔ جس میں

دوکانیں اور چبوترے بنے ہوئے ہیں اور ہر مسافر آرام کرتا ہے۔ اور ہر گھر کے پاس ایک کنواں ہے۔ کہیں لوگ کھانا پکا دیتے ہیں اور کیلے کے پتّے پر رکھ دیتے ہیں اور اسی پر سالن ڈال دیتے ہیں جو باقی بچتا ہے اس کو پرندے اور کتّے کھا لیتے ہیں۔

اس دو مہینہ کے رستے میں ایک چپہ بھر بھی زمین ایسی نہیں جو آباد نہ ہو۔ ہر آدمی کا گھر علیٰحدہ علیٰحدہ ہے۔ اس کے گرد چمن ہوتا ہے اور ایک چمن کے گرد لکڑی کی دیوار ہوتی ہے۔ سڑک باغوں کے درمیان سے گزرتی ہے۔ ہر باغ کی دیوار میں سیڑھیاں لگی ہوتی ہیں۔ اس سے چڑھ کر دوسرے باغ میں پہنچتے ہیں۔

کوئی شخص گھوڑے یا کسی اور جانور پر سوار ہو کر نہیں جاتا۔ گھوڑے پر فقط بادشاہ سوار ہوتا ہے۔ اکثر لوگ یا تو ڈولہ (پالکی) پر سوار ہوتے ہیں۔ کسی کو مزدور یا غلام اٹھا کر لے جاتے ہیں یا پیدل چلتے ہیں خواہ کوئی ہو۔ اگر کسی شخص کے پاس اسباب تجارت وغیرہ یا ساز و سامان زیادہ ہوتو وہ مزدور کرایہ کر لیتا ہے۔ وہ پیٹھ پر اسباب لے جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض سوداگر ایسے نظر آئیں گے کہ ان کے ساتھ سو سو آدمی اسباب اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ ہر مزدور کے ہاتھ میں ایک موٹا عصا ہوتا ہے جس کے نیچے لوہے کی میخ لگی ہوتی ہے۔ اوپر

لوہے کا آنکڑا ہوتا ہے۔ جب وہ تھک جاتا ہے اور کوئی دوکان ٹھیرنے کے واسطے قریب نہیں ہوتی تو زمین میں اپنا عصا گاڑ دیتا ہے۔ اور اس پر اسباب کی گٹھری لٹکا دیتا ہے۔

جب سانس لے چکتا ہے تو اسباب اٹھا کر چل پڑتا ہے۔ میں نے کوئی راستہ اتنا پر امن نہیں دیکھا جتنا یہاں کا ہے۔ یہاں ایک ناریل کی چوری پر بھی چور کو مار ڈالتے ہیں۔ جب کوئی پھل گر پڑتا ہے تو کوئی شخص نہیں اٹھاتا۔ جب مالک آتا ہے وہی اٹھاتا ہے۔

ملبار میں بارہ راجہ ہیں سب سے بڑا راجہ کا لشکر پندرہ ہزار ہے اور سب سے چھوٹے کا تین ہزار۔ یہ کبھی نہیں لڑتے اور قوی ضعیف کا ملک چھیننے کی کوشش نہیں کرتا۔

ایک راجہ کا علاقہ ختم ہوتا ہے تو دوسرے کا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک لکڑی کا دروازہ ہوتا ہے اس پر آگے آنے والے علاقہ کے راجہ کا نام کندہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ فلاں راجہ کی امان (پناہ) کا دروازہ ہے۔

ان راجاؤں کے بیٹے راج کے وارث نہیں ہوتے بلکہ بھانجے وارث ہوتے ہیں۔ یہ دستور میں نے سوا ملک سو ڈان کی قوم مسوفا کے اور کسی جگہ نہیں دیکھا۔ ملبار کے کسی راجہ کو اگر منظور ہوتا ہے کہ کسی دکاندار کی خرید وفروخت بند کردے تو راجہ کے غلام آکر اس دکان پر درختوں کی شاخیں لٹکا دیتے ہیں۔

جب تک وہ شاخیں رہتی ہیں کوئی شخص اس دکان سے خرید وفروخت نہیں کر سکتا۔

سیاہ مرچ کا بوٹا انگور کی بیل سے مشابہ ہوتا ہے۔ اسے ناریل کے ساتھ بوتے ہیں۔ یہ ناریل کے درخت پر بیل کی طرح چڑھ جاتا ہے۔ اس درخت کی شاخیں نہیں ہوتیں۔ اس کے پتّے گھوڑے کے کان کی طرح ہوتے ہیں۔ اس کا پھل چھوٹے چھوٹے گچھوں میں لگتا ہے۔ جب خریف کا موسم آتا ہے تو توڑ کر بوریہ پر دھوپ میں سکھا دیتے ہیں جیسے کشمش بنانے کے لیے انگور کو سکھاتے ہیں اور الٹتے پلٹتے رہتے ہیں۔ خشک ہونے کے بعد سیاہ رنگ ہو جاتا ہے تو سوداگروں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔

ہمارے ملک میں عوام کا خیال ہے کہ آگ میں بھونتے ہیں۔ جس سے کرارہ پن آجاتا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ کرارہ پن دھوپ سے پیدا ہوتا ہے۔ شہر قالوط (Calicut) میں میں نے دیکھا ہے کہ اسے پیمانہ سے ناپتے ہیں جیسا کہ ہمارے ملک میں جوار کو ناپتے ہیں۔

دو دن کے بعد ہم فاکنور کے شہر میں پہنچے۔ یہ بھی ایک کھاڑی پر واقع ہے۔ یہاں پونڈا بہت عمدہ ہوتا ہے جس کا نظیر اس ملک میں کہیں نہیں ہوتا۔ اس شہر کا راجہ کا نام باسدیو ہے۔ جب ہم نے اس شہر کے پاس لنگر ڈالا تو راجہ نے اپنا بیٹا ہمارے پاس بھیج دیا۔ وہ جہاز میں ہمارے پاس بطور یرغمال کے

رہا۔ اس کے بعد ہم شہر میں گئے۔ راجہ نے ہماری تین دن تک ضیافت کی۔

تین دن کے بعد ہم منجرور کے شہر میں پہنچے۔ یہ بڑا شہر ہے اور خلیج کے کنارے پر ہے۔ اس شہر میں فارس اور یمن کے اکثر سوداگر آتے ہیں۔ یہاں سیاہ مرچ اور سونٹھ بکثرت ہوتی ہے۔ اس شہر کے راجہ کا نام رام دیو ہے۔

اس کے بعد ہم ہیلی کی طرف گئے اور دو دن میں وہاں پہنچے۔ یہ ایک بڑا شہر ہے عمارتیں عمدہ ہیں ایک بڑی کھاڑی کے کنارے بسا ہوا ہے۔ اس کھاڑی میں بڑے بڑے جہاز بنتے ہیں۔ اس شہر تک چین کے جہاز آتے ہیں اور سوا قالوط اور کولّم اور ہیلی کے اور کسی جگہ نہیں ٹھیر سکتے۔

پھر ہم شہر بد پتن گئے۔ یہ بھی ایک بڑا شہر ہے اور ایک بڑے دریا کے کنارے پر ہے۔ اس شہر کا بندرگاہ نہایت خوبصورت ہے اور پانی بہت شیرین ہے۔ چھالیہ بکثرت پیدا ہوتی ہے وہاں سے چین اور ہندوستان کو لے جاتے ہیں۔

ہم شہر قالوط پہنچے۔ ملبار میں یہ بہت بڑا بندر گاہ ہے۔ چین، سیلون، مالدیپ، یمن اور فارس کے سوداگر یہاں آتے ہیں بلکہ تمام دنیا کے تاجر یہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کا بندر گاہ دنیا کے بڑے بڑے بندرگاہوں میں سے ہے۔ یہاں کے راجہ کو سامری کہتے ہیں۔ جب ہم اس شہر کے پاس پہنچے تو بڑے بڑے سوداگر اور راجہ کا نائب استقبال کو آئے اور ہم بڑے جلوس کے

ساتھ بندر گاہ میں داخل ہوئے۔ بندر گاہ بڑا وسیع تھا۔ اس وقت یہاں چین کے تیرہ جہاز ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہم جہاز سے اتر کر شہر میں آ رہے۔تین مہینے تک چین کی طرف چلنے کے موسم کا انتظار کیا۔ اتنی مدّت تک ہماری ضیافت راجہ کے محل سے آتی رہی ۔

ابن بطوطہ

ابن بطوطہ ۱۳۰۴ء میں مراکش کے شہر طنجہ میں پیدا ہوا۔ وہ ایک مشہور سیاح اور جغرافیہ دان تھا۔ وہ معلوماتِ دنیا کے اس عظیم سفر پر نکل کھڑا ہوا جس کی روئداد آج بھی علمائے تاریخ و ادب کے ماخذوں کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

دنیا کے اکثر ممالک کا سیر کیا۔ یہاں کے بادشاہوں، وزیروں، اہل علم سے ملا اور یہاں کے رسم ورواج کا بغور مطالعہ کیا۔ تمام جگہوں پر اس کی عزّت افزائی ہوئی۔ عام طور پر وہ شاہی مہمان کی حیثیت سے رہا۔ دلچسپ واقعات اور بیان نے سفر نامہ ابن بطوطہ کو انتہائی پُرکشش بنادیا ہے۔ ان خصوصیات کی وجہ سے سفر نامہ ابن بطوطہ دنیا کے سفر ناموں میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ ۱۳۵۴ء میں وہ واپس مراکش پہنچ گیا۔ یوں اس کا یہ اٹھائیس سالہ طوفانی سفر ختم ہوا۔ ۱۳۶۸ء میں اس کا انتقال مراکش ہی میں ہوا۔

عربی میں تحریر شدہ 'سفر نامہ ابن بطوطہ' کو رشید احمد جعفری نے اردو میں ترجمہ کیا۔ اس حصّہ میں ابن بطوطہ نے ملبار کے علاقوں، سماجی زندگی اور ذراعتی پیداوار پر روشنی ڈالی ہے۔

فرہنگ

سرحد : Border

رویہ : چال چلن، طریقہ

چبوترا : مربع یا مستطیل اونچی بنائی ہوئی جگہ جس پر لوگ بیٹھتے ہیں

چپہ بھر : چار انگل

عصا : لاٹھی

میخ : کیل Nail

آنکڑا : لوہے کا کانٹا hook

گاڑ دینا : ٹھونکنا

کندہ ہونا : کھدا ہوا

بھوننا : جلانا

کرارہ پن : بھربھراپن Crispy

جوار : Millet

پونڈا : موٹا گنّا

لنگر : anchor

سونٹھ : سوکھی ادرک

یرغمال : بندھی

منجرور : منگلور

ضیافت کرنا : مہمانی کرنا to treat

سرگرمیاں

۱) ملبار کے سفر کے دوران ابن بطوطہ نے کیا کیا دیکھا؟

۲) ابن بطوطہ کے ملبار کے سفر کے تجربات بیان کیجیے۔

۳) قدیم زمانے میں ملبار کے لوگ اپنا ساز و سامان کیسے لے چلتے تھے؟

۴) ''میں نے کوئی راستہ اتنا پُر امن نہیں دیکھا جتنا یہاں کا ہے'' ابن بطوطہ کے اس قول پر آپ کے خیالات پیش کیجیے۔

۵) راجہ کے علاقہ کی پہچان کا طریقہ 'سفرنامہ ابن بطوطہ' میں کیسے بیان کیا گیا ہے؟

۶) 'سفر نامہ ابن بطوطہ' میں سیاہ مرچی کا بیان کیسے کیا گیا ہے؟

۷) آپ نے کئی مقامات کا سفر کیا ہوگا۔ کسی ایک دلچسپ سفر کے بارے میں اپنا تجربہ لکھیے۔

۸) آپ کے ضلع میں کئی تاریخی اور تفریحی مقامات ہوں گے۔ ان کی تعلیمی اور تاریخی اہمیت پر نوٹ لکھیے۔

۹) ابن بطوطہ کے سفر نامہ پر ایک تحسینی نوٹ تیار کیجیے۔

حوالہ جات

'سفر نامہ ابن بطوطہ' — ابن بطوطہ

اردو سفر نامے کی مختصر تاریخ — مرزا حامد بیگ

یوروپ کی الف لیلیٰ — علی سفیاں آفاقی

ഇബ്ന്ബതൂത്ത കണ്ട ഇന്ത്യ - വേലായുധൻ പണിക്കശ്ശേരി

സഞ്ചാര സാഹിത്യം - എസ്.കെ പൊറ്റക്കാട്

കന്യാകുമാരി മുതൽ ഹിമാലയം വരെ- പി.ആർ.നാഥൻ

سبق ۱۳

در مدحِ بہادر شاہ ظفرؔ

ہیں مری آنکھ میں اشکوں کا تماشا گوہر
اک گہر دیکھو تو ہوں کتنے ہی پیدا گوہر
نظرِ خلق سے چھپ سکتے نہیں اہلِ صفا
نہ دریا سے چمک کر نکل آیا گوہر
رزق تو درخور خواہش ہے پہنچتا سب کو
مرغ کو دانا ملا ہنس نے پایا گوہر
ذوق موقوف کر اندازِ غزل خوانی کے
ڈھونڈ اس بحر میں اب تو کوئی اچّھا گوہر
غوطہ دریا ئے سخن میں ہے لگانا بہتر
آگے تقدیر سے خرمہرہ ملے یا گوہر
اثرِ مدح سے اس خسرو دریا دل کے
کر سخن قابلِ گوشِ دلِ دانا گوہر

وہ بہادر شہ غازی کہ برنگ نیساں
روز برسائے ہے ابرِ کرم اس کا گوہر
جشن سے اس کے ہے اک فیض کا دریا جاری
بہتے پھرتے ہیں برنگِ کفِ دریا گوہر
مدح حاضر میں کروں میں کوئی مطلع تحریر
آج ہے خامہ میرا منہ سے اگلتا گوہر

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

اشارے

مذکورہ بالا قصیدہ محمد ابراہیم ذوقؔ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ قصیدہ بادشاہِ وقت 'بہادر شاہ ظفرؔ' کی شان میں لکھا گیا تھا۔ ذوقؔ نے اس قصیدے میں بہادر شاہ ظفرؔ کی خوب تعریف کی ہے۔

قصیدہ

صنفِ قصیدہ عربی زبان سے ماخود ہے۔ قصیدہ وہ صنفِ سخن ہے جس میں کسی کی تعریف یا مذمّت کی جاتی ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے قصیدہ غزل سے مشابہ ہے۔ قصیدہ کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔ مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ بقیہ اشعار کے ثانوی مصرعے پہلے شعر کا ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ قصیدے میں اشعار کی تعداد زیادہ ہوتی ہیں اور ہر بحر میں قصیدہ لکھا جا سکتا ہے۔ کبھی کبھی قصیدہ میں ایک سے زیادہ مطلع بھی ہوتے ہیں۔

قصیدے کے چار اجزائے ترکیبی ہیں۔ جیسے تشبیب، گریز، مدح اور دعا۔ تشبیب قصیدے کا ابتدائی حصّہ ہے۔ جس میں شاعر عشقیہ یا بہاریہ بیان کرتا ہے۔ پھر بات میں بات نکال کر ممدوح کی تعریف شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ تشبیب اور مدح کی درمیانی کڑی 'گریز' کہلاتی ہے۔ اور قصیدے کا انجام عام طور پر دعائیہ اشعار پر ہوتا ہے۔

اکثر قصیدے بادشاہوں اور امیروں کی شان میں لکھے جاتے تھے۔ اس لیے قصیدے کے ساتھ شاعر انعام و اکرام کے بارے میں اپنا مدعا و مطلب بھی بیان کر دیتا ہے۔ اردو کے قصیدہ گوشعراء میں سوداؔ، ذوقؔ، غالبؔ، مومنؔ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ جمہوری نظامِ حکومت کے رواج کے ساتھ ہی یہ صنفِ سخن زوال پذیر ہوتی گئی۔

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

شیخ محمد ابراہیم نام اور ذوقؔ تخلص تھا ۔ حافظ غلام رسول سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ شاعری کے شوق میں استاد نظیر کے شاگردوں میں شامل ہوگئے۔ بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد بنے۔ بادشاہ کی سر پرستی میں ان کی زندگی آرام سے بسر ہوئی۔ خاقانی ہند اور ملک شعراء کے خطابات سے نوازا گیا۔

ذوقؔ کو موسیقی سے بھی دلچسپی تھی۔لیکن ان کا اصل کمال ان کی شاعری سے ظاہر ہوا۔ اصنافِ سخن میں' قصیدہ' ان کا اصل میدان ہے۔ غزل گوئی میں بھی ان کا خاص مقام ہے۔ زبان پر قدرت ، بیان کی سلاست، روز مرّہ اور محاوروں کے برمحل استعمال پر وہ قادر ہیں۔

فرہنگ

گہر	:	موتی
درخور	:	قابل
بحر	:	دریا
موقوف	:	چھوڑ دیا
خرمہرہ	:	کوڑی، سیپ
غازی	:	بہادر
نیساں	:	بہار کا موسم
ابر	:	بادل

سرگرمیاں

۱) اس قصیدے کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۲) بہادر شاہ ظفرؔ آخری مغل بادشاہ گزرے ہیں۔ ان کے بارے میں اپنی معلومات پیش کیجیے۔

۳) قصیدے کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ واضح کیجیے۔

۴) پسندیدہ کسی ایک قصیدہ نگار کے بارے میں مختصر نوٹ لکھیے۔

یونٹ IV

الفت - دنیا سے، دنیا والوں سے

نسلِ آدم سے الفت اور فطرت کا تحفظ زمانے کا تقاضہ ہے۔ فطرت کی بربادی اصل میں دنیا کی بربادی ہے۔ پانی کی قلّت عالم کی قیامت ہے۔ آئندہ زمانے میں اگر ایک عالمی جنگ ہوئی تو وہ پانی کے لیے ہوگی۔

دوستو! فطرت کے تحفظ کے لیے ہمیں ہاتھ سے ہاتھ ملانا ہے۔

آخری اکائی میں پہلا سبق محمد اسلم پرویز کا مضمون 'فطرت کی حفاظت' ہے۔ دوسرا سبق افسؔر میرٹھی کی نظم 'خواہشیں' ہے۔ شوکت حیات کا گھونسلا تیسرا سبق اور غالبؔ کی غزل اس اکائی کا آخری سبق ہے۔

تعلیمی نتائج

- مضمون پڑھ کر تحسینی نوٹ تیار کرتا ہے۔
- مضمون پڑھ کر مفہوم لکھتا ہے۔
- ماحولیات کے تحفظ پر تخلیقات تیار کرتا ہے۔
- پسندیدہ موضوع پر مضمون تیار کرتا ہے۔
- نظم پڑھ کر مفہوم لکھتا ہے۔
- زبان کے قواعد پر معلومات حاصل کرتا ہے۔
- نظم گو شعرا کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے۔
- افسانہ پڑھ کر خیالات پیش کرتا ہے۔
- افسانہ پڑھ کر تحسینی نوٹ تیار کرتا ہے۔
- افسانہ پڑھ کر مفہوم تیار کرتا ہے۔
- اپنے ماحول اور آس پاس کی تبدیلیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے۔
- ماحول دوست ترقی کے واسطے معلومات حاصل کرتا ہے۔
- غزل پڑھ کر تحسینی نوٹ تیار کرتا ہے۔
- پسندیدہ شخصیت کی یکائی نقشہ Profile تیار کرتا ہے۔
- مشہور غزل گو شعرا پر معلومات حاصل کر کے پیش کرتا ہے۔
- غزل لکھنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے۔
- غزل کا مفہوم لکھنے کی صلاحیت حاصل کرتا ہے۔

سبق ۱۴

فطرت کی حفاظت

دیکھیے، تصویر میں ایک لڑکی تقریر کر رہی ہے۔ اس نے اپنی تقریر میں کیا کیا بتایا ہوگا؟

خوشگوار زندگی کے لیے فطرت کی حفاظت ناگزیر ہے۔ فطرت کا استحصال زندگی کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ آج کل کینسر کا مرض اتنی شدّت کیوں اختیار کر گیا ہے؟ دل کے امراض کیوں عام ہو رہے ہیں؟ لوگوں کو سانس کی

تکلیف کیوں ہو رہی ہے؟ موسموں کا چلن کیوں بگڑ گیا ہے؟ برسات کی وہ رُتیں اور جھڑیاں کیوں ختم ہو گئی ہیں؟ دریاؤں کا پانی گدلا اور کنوؤں کا پانی زہریلا کیوں ہو گیا ہے؟ تازہ ہوا کے وہ جھونکے کہاں چلے گئے کہ جو روح کو شاد کر جایا کرتے تھے؟ موتی کی طرح شفاف پانی کے وہ قدرتی چشمے کہاں کھو گئے جن کی تہہ کا حال اوپر سے ہی نظر آتا تھا؟ یقیناً یہ ایسے مسائل ہیں کہ جن کا تعلق ہم سے اور ہماری فنا و بقا سے ہے اور اب اگر یہ کہا جائے کہ ان تمام مسئلوں کا سیدھا واسطہ ہمارے بگڑتے ہوئے ماحول سے ہے تو کیا اب بھی آپ ماحولیاتی مسئلے کو محض سائنسی مسئلہ کہیں گے؟

قدرت نے دنیا کی ہر چیز کو ضرورت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہے۔ یہاں ہر ایک چیز دوسری چیز کو کسی نہ کسی طرح متاثر کرتی ہے۔ اس آپسی تعلق کو سمجھنے اور سمجھانے کا نام ''ماحولیاتی سائنس'' ہے۔ زمانہء قدیم میں انسان اِس تعلق سے نہ صرف بخوبی واقف تھا بلکہ اس کی زندگی ان قدرتی وسائل کے گرد گھومتی تھی۔ وہ پانی کے ذخیروں کے پاس بستیاں قائم کرتا تھا تاکہ قدرتی پانی اسے حاصل ہوتا رہے۔ جنگلات سے وہ لکڑی، چارا اور غذا حاصل کرتا تھا۔ زمین وسیع تھی اور آبادیاں کم تھیں۔ رفتہ رفتہ انسانی آبادی بڑھنے لگی تو ان وسائل کی مانگ بڑھی، ان پر دباؤ بڑھا اور ان کے لیے آپس

میں لڑائیاں شروع ہوئیں۔ کسی ملک کے زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقوں نے وہاں حملہ آوروں کو بلا لیا تو کسی ملک کے جانور اور چراگاہیں دشمن کی نظروں میں آگئیں، طاقتور قوتیں اور ممالک کمزوروں کے وسائل پر قابض ہو کر انھیں بے دریغ استعمال کرنے لگے۔ قدرتی وسائل پر دوسرا حملہ صنعتی انقلاب کے دوران ہوا۔ صنعتی انقلاب نے انسان کو مشینوں سے روشناس کرایا۔ مشینوں کی مدد سے اگرچہ پیداوار میں زبردست اضافہ ہوا اور ایسا ضروری بھی تھا کیوں کہ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات بڑھتی جا رہی تھیں۔ لیکن اس اضافہ نے خام مال کی مانگ اور بھی بڑھادی۔ جہاں کاغذ بنانے کے کارخانے لگے تو وہ علاقے جنگلات سے پاک ہو گئے کیوں کہ تمام لکڑی کاغذ بنانے کی نذر ہوگئی۔ جہاں کسی دھات سازی کا کام ہوا تو وہاں کان کنی اتنی ہوگئی کہ تمام زمین کھود کھود کر بنجر بنادی گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ترقی ہوتی گئی اور انسانی زندگی پر مشینوں کی گرفت بڑھتی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو قدرتی توازن اس دنیا کے مکینوں کے درمیان تھا، وہ برباد ہوگیا۔

انسان کے اردگرد اس کے اہم ترین ساتھی زمین، ہوا، پانی، جنگلات اور دیگر جاندار ہیں۔ یہی اس کا ماحول کہلاتے ہیں، ان سبھی کا آپس میں ایک دوسرے سے تعلق ہے یعنی اگر زمین خراب ہوگئی تو انسان اس سے متاثر ہوگا

اور اگر انسان کا رویہ زمین کے تئیں بگڑے گا تو زمین خراب ہوگی۔ انسان کی بڑھتی ہوئی آبادی اور مشینی دور کی آمد نے اس آپسی تعلق کو تہس نہس کر دیا۔ کارخانوں اور فیکٹریوں نے نہ صرف یہ کہ خام مال کی شکل میں قدرتی وسائل کو بے تحاشہ استعمال کیا بلکہ ان سے نکلنے والے زہریلے مادّوں نے ہوا، پانی اور زمین کو زہریلا کرنا شروع کردیا۔ کارخانوں کی چمنیوں اور موٹر گاڑیوں سے نکلنے والے دھوئیں اور گیسوں نے ہوا کو آلودہ کر دیا۔ جب فیکٹریاں اور گاڑیاں کم تھیں تو کم گیسیں فضا میں خارج ہوتی تھیں اور یہ تھوڑی سی مقدار بہت جلد ہوا میں گھل مل کر اتنی ہلکی ہو جاتی تھی کہ اس کا زہریلا پن ختم ہو جاتا تھا۔ لیکن اب صورت حال مختلف ہے، اب اتنی زیادہ مقدار میں یہ گیسیں ہوا میں خارج ہوتی ہیں کہ ان کا پھیلنا اور تحلیل ہونا ناممکن ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ تمام زہریلی گیسیں خطرناک حد تک ہوا میں جمع ہو رہی ہیں۔ شہری اور صنعتی علاقوں کے اوپر یہ گیسیں ایک غلاف کی مانند چھائی رہتی ہیں۔ ایسی ہوا میں جب ہم لوگ سانس لیتے ہیں تو یہ سب کیمیائی مادّے ہمارے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ہمارے کارخانوں اور موٹر گاڑیوں سے خارج ہونے والی گیسوں میں زیادہ مقدار کاربن مونو آکسائیڈ، نائٹروجن ڈائی آکسائیڈ، نائٹرس آکسائیڈ، سلفر ڈائی آکسائیڈ اور کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کی ہوتی ہے۔ ان سبھی گیسوں کی زیادتی

ہمارے قدرتی ماحول کے لیے مضر ہے۔ ان میں سے کچھ گیسیں تیزاب کی شکل میں زمین پر آتی ہیں۔ ایسی بارش کو ''تیزابی بارش'' کہا جاتا ہے اور کئی ممالک کو ان بارشوں کا تجربہ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ تیزابی بارش کی سب سے اہم وجہ سلفرڈائی آکسائیڈ گیس ہے۔ فضا میں اس گیس کی زیادتی خطرے کی گھنٹی ہے۔ کیوں کہ تیزابی بارشیں نہ صرف یہ کہ پیڑ پودوں اور جانداروں کو نقصان پہنچاتی ہیں بلکہ ان سے عمارتیں اور دیگر سامان بھی متاثر ہوتے ہیں۔

موٹر گاڑیوں سے نکلنے والی کثافت نے نہ صرف ہوا کو ہی متاثر کیا ہے بلکہ کارخانوں کا فضلہ ہوا کے علاوہ پانی اور زمین کو بھی خراب کرتا ہے۔ جب کارخانے کم تھے تو ان کا تھوڑا سا فضلہ پانی میں تحلیل ہو جاتا تھا لیکن جیسے جیسے کارخانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا پانی میں آلودگی بڑھتی گئی۔ آج یہ حال ہے کہ کسی بھی دریا کو ہم پوری طرح صاف اور صحت مند نہیں کہہ سکتے کسی کا پانی سڑ رہا ہے تو کسی کا پانی رنگین ہو گیا ہے، کسی میں گاد بہت ہے تو کسی کے پانی میں تیزابیت اتنی ہے کہ اس میں رہنے والے سبھی جاندار ہلاک ہو چکے ہیں۔

ہوا اور پانی کی کثافت کو قابو میں رکھنے کے لیے قدرت نے بڑا اچھا انتظام کر رکھا ہے۔ زمین کے سینے میں پھیلے ہوئے جنگلات یہ کام بخوبی انجام

دیتے ہیں۔ ہوا کی آلودگی کو درخت اور دیگر پودے جذب کر لیتے ہیں نیز ان ہرے جانداروں سے خارج کرنے والی آکسیجن گیس ہوا کے زہریلے پن کو کم بھی کر دیتی ہے۔ تاہم افسوس کی بات یہ ہے کہ جنگلات بھی انسان کی دسترس سے محفوظ نہ رہے۔ کہیں پر رہائش کے لیے جنگلات کو صاف کیا گیا تو کہیں کھیتی باڑی کے لیے جنگلات کاٹے گئے یا پھر کارخانوں اور فیکٹریوں کو قائم کرنے کے لیے جنگلات کو ختم کیا گیا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمین کا یہ ہرا غلاف اترنے لگا جس کی وجہ سے آلودگی میں مزید اضافہ ہوا۔

..... بھلا ہم میں سے کون ہے جسے اپنی صحت عزیز نہ ہو۔ تو پھر یہ بے حسی کیسی ہے؟ ہم کیوں انتظار کریں کہ جب چیکنگ اور چالان شروع ہوں تبھی اپنی گاڑیوں اور کارخانوں کو درست کریں۔ اگر ہم کو اپنی صحت پیاری ہے اور اپنے ننھے منّے مسکراتے بچّوں کو صحت مند فضا مہیا کرنی ہے تو ہمیں یہ بے حسی اور لاپروائی چھوڑنی ہوگی۔ ورنہ یقین کریں کہ ہم اپنے معصوم بچّوں کو ورثے میں ایک ایسی زہریلی فضا اور ماحول دیں گے جس میں وہ کبھی مسکرانہ سکیں گے اور شاید اگلی نسل کی مسکراہٹ تو دیکھ بھی نہ سکیں۔

محمد اسلم پرویز

مضمون

اردو میں مضمون نگاری کی روایت کو انیسویں صدی کے دوران بہت ترقی ملی۔ مضمون نگاری نثر کی باضابطہ صنف نہیں ہے۔ بہت سے لکھنے والوں نے کسی خیال، تجربے اور واردات کواس طرح ترتیب دیے کہ وہ خود بخود ایک مضمون کی شکل اختیار کر لیا۔ سر سید اور ان کے معاصرین نے مضمون نگاری کو سماجی موضوعات کے علاوہ علمی، ادبی فلسفیانہ اور تہذیبی و معاشرتی موضوعات پر بھی مضامین لکھے، حالؔی، شبلؔی، محمد حسین آزاد، نذیر احمد، میر ناصر علی، نیاز فتح پوری، رشید احمد صدیقی، خواجہ حسن نظامی، مرزا فرحت اللہ بیگ، محفوظ علی بدایونی، ابوالکلام آزاد اور خواجہ غلام لسیدین وغیرہ اردو کے اہم مضمون نگار ہیں۔

فرہنگ

شفاف : نہایت صاف

قابض : قبضہ کرنے والا

صنعتی انقلاب : Industrial Revalution

دھات سازی : دھات بنانا

تہس نہس : برباد Destroyed

زہریلا : Poisonous

مضر : نقصان

تیزاب : Acid

تیزابی بارش : Acid rain

رFت : موسم

کثافت : غلاظت، گاڑھاپن

فضلہ پانی : گندہ پانی

تحلیل ہونا : گھل جانا

غلاف : زمین کا ہرا پردہ

چیکنگ اور چالان: Checking and taken Action against

شاد : خوشی

زرخیز	:	Fertile
بے دریغ	:	بے دھڑک
خام مال	:	Raw Material
بنجر	:	وہ زمین جو کاشت کاری کے استعمال میں نہ ہو
بے تحاشہ	:	بے دھڑک
گاد	:	گاڑھا
سڑنا	:	خراب ہونا

سرگرمیاں

۱) ۵/ جون ماحولیات کا بین الاقوامی دن ہے۔ اس موقعہ پر آپ کے اسکول میں ایک جلوس ہونے والا ہے۔ اس جلوس کے لیے چند نعرے تیار کیجیے۔

۲) ماحول بچانا کیا صرف سائنس دانوں ہی کا کام ہے؟ یا ہر شہری کا بھی۔ بحث کر کے اہم نکات پیش کیجیے۔

۳) محمد اسلم پرویز کے مضمون 'فطرت کی حفاظت' کے مدّ نظر ماحولیات کے تحفظ پر آپ کے تجاویز کیا کیا ہیں پیش کیجیے۔

۴) آلودگی ہم دور کر نہیں سکتے بلکہ اسے کم کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے آپ کے تجاویز کیا کیا ہیں؟

۵) آج کل جنگلی جانور اپنی بستی چھوڑ کر باہر آتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہوگی؟ چند جملے لکھیے۔

۶) شجر کاری کی اہمیت پر نوٹ تیار کیجیے۔

۷) آپ شہری زندگی پسند کرتے ہیں یا دیہاتی زندگی؟ بحث کیجیے۔

۸) مختلف جڑی بوٹیوں کی فہرست تیار کیجیے اور چند کے فوائد پر مختصر نوٹ لکھیے۔

۹) محمد اسلم پرویز کا مضمون 'فطرت کی حفاظت' کے مدنظر فطری حادثات کے اسباب پر ایک مضمون تیار کیجیے۔

۱۰) 'ماحولیات کا تحفظ' اس موضوع پر ایک سمینار منعقد ہو رہا ہے۔ اس کے لیے ایک مقالہ تیار کر کے پیش کیجیے۔

سبق ۱۵

خواہشیں

بچّو ! کیا آپ اس طرح کے کسی انجمن سے وابستہ ہیں؟
ایسے انجمنوں کی خدمت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

دردِ جس دل میں ہو، میں اُس کی دوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو شِفا بن جاؤں
دکھ میں ہلتے ہوئے لب کی میں دعا بن جاؤں

ہائے وہ دل جو تڑپتا ہوا گھر سے نکلے
اُف وہ آنسو کسی دیدۂ تر سے نکلے
میں آنسو کے سکھانے کو ہوا بن جاؤں

دور منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی
جب مسافر کہیں رستے میں بھٹک جائے کوئی
خِضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں

نور سے عیش و مسرّت کے وطن کو بھردوں
غم سے تاریک جو دل ہو اُسے روشن کردوں
ہر اندھیرے کے لیے ایک دیا بن جاؤں

عمر کے بوجھ سے جو لوگ دبے جاتے ہیں
ناتوانی سے جو ہر روز جھکے جاتے ہیں
ان ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں

خدمتِ خلق کا ہر سمت میں چرچا کردوں
مادر ہند کو جنت کا نمونہ کردوں
گھر کرے دل میں جو افسؔر وہ صدا بن جاؤں

افسؔر میرٹھی

تلمیح

'خضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں'

اس مصرعہ میں اشارہ حضرت خضرؑ کی طرف ہے۔ حضرت خضرؑ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ایک روحانی شخصیت ہیں جو بھولے بھٹکے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ کسی جملہ، مصرعہ یا شعر میں اگر کوئی تاریخی واقعہ، شخصیت یا مقام کی طرف اشارہ موجود ہو تو اسے 'تلمیح' کہتے ہیں۔

جیسے :

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

غالبؔ

افسر میرٹھی

1898-1974

افسر میرٹھی کا نام اردو کے مشہور شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کا پورا نام حامداللہ تھا۔ وہ میرٹھ میں پیدا ہوئے۔انھوں نے میرٹھ کالج سے بی۔اے۔ کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی گئے۔ وہاں سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ اردو کے استاد کی حیثیت سے ان کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔لکھنؤ کے جوبلی کالج میں وہ وائس پرنسپل ہو گئے۔ وہ مختلف موضوعات پر مہارت رکھتے تھے۔ انھیں بچّوں کی نفسیات سے گہرا علم تھا۔

ان کے کلام میں زیادہ تر بچّوں سے متعلقہ نظمیں ملتی ہیں اور یہ نظمیں پڑھنے میں بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔ حبّ وطن کا جذبہ بھی ان کی شاعری میں پایا جاتا ہے۔ سیدھے سادے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے خیالات دل کو چھونے والے ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار دوسروں کے دکھ درد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آسمان کا ہم سایہ، لوہے کی چپل، درسی کتب، پیامِ روح وغیرہ کتابیں بہت مقبول ہیں۔ ان کا انتقال لکھنؤ میں 1974 کو ہوا۔

فرہنگ

دیدۂ تر	:	بھیگی آنکھ
عیش	:	آرام
مسرّت	:	خوشی
ناتوانی	:	کمزوری
عصا	:	لاٹھی
سمت	:	طرف

سرگرمیاں

۱) اس مصرعے پر غور کریں۔

'درد جس دل میں ہو، میں اس کی دوا بن جاؤں'

ایک آدمی کے 'دل کی دوا، ہم کیسے بن سکتے ہیں؟

۲) سماجی خدمت کے لیے کام کرنے والی چند انجمنوں کے نام لکھیے اور ایک کے بارے میں مختصر نوٹ لکھیے۔

۳) سماج میں دوسروں کی مدد کرنے کا موقع آپ کو ملا ہوگا۔ اپنے تجربات کلاس میں پیش کیجیے۔

۴) ہمارے سماج میں بوڑھے لوگ آج کل کن کن تکلیفوں کا سامنا کر رہے ہیں؟ اور انھیں کس طرح حل کیا جا سکتا ہے؟

۵) افسؔر میرٹھی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

۶) 'تلمیح' کسے کہتے ہیں؟ چند مثالیں دیجیے۔

۷) نظم 'خواہشیں' پڑھ کر اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۸) 'طلباء اور سماجی خدمت' اس موضوع پر ایک نوٹ تیار کیجیے۔

۹) نظم 'خواہشیں' میں شاعر نے اپنی خواہشیں ظاہر کی ہیں۔ اسی طرح آپ کی بھی خواہشیں ہوں گی۔ انھیں ایک نظم کی شکل میں لکھیے۔

حوالہ جات

آسمان کا ہم سایہ — افسؔر میرٹھی

پیامِ روح — افسؔر میرٹھی

لوہے کی چپل — افسؔر میرٹھی

سبق ۱۶

گھونسلا

’ترقی میں بھی نقصانات چھپے ہوئے ہیں۔‘ کیا آپ اس قول سے متفق ہیں؟ آپ کے خیالات واضح کیجیے۔

ٹرین کسی ویران علاقے سے گزر رہی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ اس کا اسٹیشن قریب آ رہا تھا۔

کسی نے اس کے اندر اس کے پھیپھڑے کو بے دردی کے ساتھ اپنی گرفت میں لے لیا۔ ’’بد بخت تیرا کوئی اسٹیشن ہے.....؟‘‘

دباؤ بڑھتا گیا ۔ اس کی سانس اکھڑنے لگی۔ آس پاس بیٹھے ہوئے مسافروں نے اسے حیرت و استعجاب سے دیکھا۔ اس نے دھیرے دھیرے اپنی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے سوچا کہ سچ مچ اس کا اور اس کے جیسے کروڑوں لوگوں کا اس بھری پُری دنیا میں کہیں کوئی اسٹیشن نہیں۔

پورے سفر میں دو افراد کے متعلق وہ شدّت سے سوچتا رہا تھا۔ ایک وہ جس سے اس کا خون کا رشتہ تھا۔ اس کا باپ ..... اور دوسرا وہ جس سے کسی طرح کا کوئی رشتہ نہ ہوتے ہوئے بھی ایک عجیب سا نا معلوم تعلق تھا۔

جس کے ادھ کھلے کٹہرے ہونٹ کا ذائقہ اب بھی اس کی شریانوں میں سنسنی کی لہر دوڑا دیتا تھا۔

انھیں سر پرائز دینے کے خیال سے بغیر کسی اطلاع اور خبر کے وہ اس سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر رکی تو وہ اتر گیا۔ باہر گھپ اندھیرا تھا۔ ہر شے پر ایک عجیب پُر اسرار سی گم شدگی کی کیفیت طاری تھی۔ اس نے ایک راہ گیر سے بغیر کسی ارادے کے پوچھ لیا۔

''کیوں بھائی .....
لائٹ کب سے آف ہے .....؟''

''کیا کہا جائے بابو جی ..... جب سے بڑے شہر میں بجلی کی سپلائی بڑھ گئی ہے۔ یہاں کا کوٹا کاٹ دیا گیا ہے .....

بہت دیر کے لیے روشنی غائب رہتی ہے ..... اور آس پاس جو گاؤں ہیں، ان کا تو حال پوچھو ہی مت ..... بجلی کی لائن ہوتے ہوئے بھی سب ایک کرن کو ترستے ہیں ..... کہیں کوئی پیداوار ہی نہیں ہوتی .....!''

بڑے شہروں کو گالیاں دیتے ہوئے اس نے قدم بڑھائے۔ رات زیادہ نہیں ہوئی تھی لیکن دبیز تاریکی کی وجہ سے ڈھلی ہوئی رات کا گمان ہوتا تھا۔ پلیٹ فارم کے باہر رکشے قطار میں کھڑے تھے۔ سب کے سب اپنی طرف توجہ کھینچنے کے لیے طرح طرح سے اپنے اپنے رکشوں کی گھنٹیاں بجا رہے تھے۔ اور منہ سے مختلف سروں کی آوازیں نکال رہے تھے۔ اُسے لگا کہ کوئی پرندہ عرصہ دراز کے بعد صعوبتوں بھرے سفر سے نجات حاصل کرکے اپنے گھونسلے کے قریب پہنچ گیا ہے۔

قلی نے ایک رکشے پر اس کا سامان رکھا، رکشے والے نے اندھیرے میں اسے گھور کر دیکھا۔

''کہاں چلنا ہے بابو جی .....؟''

''بس چلنا ہے ..... باہر کا آدمی نہیں ہوں ..... اسی مٹی کا یہ جسم ہے ..... چلو ..... میں تمھیں راستہ بتاتا چلوں گا ..... بس فی الحال سیدھ میں آگے بڑھتے چلو ..... مگر جلدی جلدی نہیں ..... دھیرے

دھیرے .....ایک مدّت کے بعد یہ سب دیکھنا مقدّر رہوا ہے تو راستے کے سارے مناظر کو جذب کرنا چاہتا ہوں۔''

'' دیکھتے ہو بد بخت .....سب کچھ بدل گیا ہے .....تم اپنے ٹھکانے پر پہنچ بھی نہیں سکو گے ..... مجھے تو سب کچھ بہت اجنبی اور ڈراؤنا لگ رہا ہے .....۔'' رکشے والے سے پوچھا۔

''بھائی رکشا والے یہ وہی شہر ہے نا .....؟''

''کون سا .....؟''

''وہی اپنا شہر .....!''

''بد بخت تیرا کوئی شہر ہے .....؟''

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ جسم کا سارا خون چہرے پر سمٹ آیا اس کی سانسیں تیز تیز چلنے لگیں۔ نقاہت کے عالم میں وہ رکشا کی سیٹ پر نیم دراز ہوگیا۔ اس کا پاؤں رکشا والے کے پاؤں سے ٹکرایا۔ اس نے گردن گھمائی۔

''بابو جی .....آپ کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔ .....آپ کہیں تو اسپتال کا رُخ کروں؟''

وہ آنکھیں پھاڑے ہوئے بڑی بے بسی سے رکشے والے کو دیکھتا رہا۔ اسے جیسے سکتہ لگ گیا تھا۔ چاہتے ہوئے بھی منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

رکشے والے نے رکشا روک دیا اور اتر کر اسے جھنجھوڑنے لگا۔

''بابو صاحب ..... بابو صاحب .....!''

''ہاں .....! کسی گہرے کنویں سے اس کی آواز ابھر رہی تھی۔''

''ٹھیک ہوں بھیّا رکشے والے .....کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے..... بات یہ ہے بھائی کہ میں صدمے برداشت نہیں کر پاتا .....اور میں کر بھی لوں .....لیکن وہ جو ایک کتّا میرے اندر بیٹھا ہے ..... وہ حرامی پن سے باز نہیں آتا .....موقع ملتے ہی کچوکے لگاتا ہے .....۔''

''کون کتّا .....؟''

''جانے دو بھائی ..... جانے دو .. کوئی نہیں ..... ایسے ہی وہ میرے لیے مصیبت بنا رہتا ہے۔ ..... کچھ بُرا لگ گیا تو جانے کیسے عذاب میں مبتلا کرے گا .....''

(''میں تمھارے لیے ..... یا تم میرے لیے مصیبت بنے ہوئے ہو ..... مجھے کتّا سمجھنے والے کتّے .....۔''

رکشا والے نے رکشا چلاتے ہوئے گردن گھمائی۔

'' آپ اکیلے ہیں بابو جی .....تو بات کس سے کر رہے ہیں .....؟''

''بھائی رکشے والے .....تم پریشان نہ ہو .....میں بیمار

آدمی ہوں .....۔''

رکشا والے نے اسے بہت گھور کر دیکھا۔

''اب بتایئے بابو جی الٹے ہاتھ یا سیدھے ہاتھ .....''

''الٹے ہاتھ .....!'' اس نے جواب دیا اور پھر اندر والے کی طرف سے دھیان ہٹاتا ہوا عہدِ گزشتہ کو یاد کرنے لگا۔ اس کے ابا کتنے ضدّی اور رجعت پسند ہیں۔ ہوم سِکنس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔اپنی زمین، اپنی دیوڑھی چھوڑ کر جانا ہی نہیں چاہتے۔ بار بار سمجھانے پر بھی انھوں نے یہی کہا کہ وہ اپنی روایتوں سے کٹنا نہیں چاہتے۔ اب انھیں کیسے سمجھایا جائے کہ روایتیں زمین میں نہیں بلکہ دل ودماغ اور رُوح میں اُگتی ہیں .....سینہ بہ سینہ سفر کرتی ہیں۔ .....گھر اور جائداد روایتوں کا مدفن ہی نہیں، نئی روایتوں کا مذبح بھی ہیں۔

جس دن یہ باتیں اس نے کھل کر کہیں، بابا نے اس سے ناتا توڑ لیا۔

''بدخلف .....مجھے پڑھاتا ہے ..... جاہل .....''

''اب کدھر چلوں بابو جی .....؟''

اس کا دھیان بٹ گیا۔

'' بس .....بس .....ذرا دھیرے چلو ..... رکو ..... یہیں اترنا ہے .....!

حیرت سے اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کافی غور کرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ غلط جگہ پر آ گیا ہے۔ جہاں بابا کا گھر سمجھ کر اس نے رکشا رکوایا تھا، وہاں تو دور دور تک چٹیل میدان تھا۔ اس سے ضرور کوئی غلطی ہو گئی۔ گھر پہنچنے کی مسرّت پر قابو نہ پاتے ہوئے وہ اپنا محلّہ آتے ہی پڑ بڑا کر رکشا سے اتر گیا تھا۔ لیکن اب اسے احساس ہوا کہ راستوں اور سمتوں کے متعلق رکشے والے کو ہدایت دیتے ہوئے اس سے سہو ہو گیا ہے۔ وہ رکشا پر بیٹھ گیا۔

''یار رکشے والے ..... گاڑی گھمالو ..... بھائی اتنے زمانے کے بعد اپنے علاقے میں آیا ہوں ..... پھر روشنی بھی نہیں ہے ..... اندھیرے میں راستے کا مجھے صحیح اندازہ نہ ہوا ..... اب چلو ..... پوری احتیاط سے ہدایت دوں گا.....۔''

بابو جی آپ محلے کا نام تو بتایئے .....!''

''یار نام میں کیا رکھا ہے ..... میں تو ساتھ ہوں .....اس سے زیادہ شرم کی کیا بات ہوگی کہ باپ دادا کی حویلی تک میں خود اپنی رہ نمائی نہ کر سکوں ..... ہاں رکشا کو سیدھے ہاتھ موڑ لو ..... اب الٹے ..... اب سیدھے .....پھر دیکھو .....آگے جو چوراہا ہے۔ اس سے نکلتی ہوئی سب سے پتلی شاہراہ کی طرف .....''

اس بار اس نے بالکل نئے راستوں سے رکشے والے کی رہنمائی کی اور اندھیرے میں منزلِ مقصود پر پہنچتے ہی جھٹکے کے ساتھ رکشے سے اترا تو دیکھا کہ اس کے مطلوبہ علاقے کی جگہ چٹیل میدان تھا۔

''اف پھر غلطی ہوگئی..... رکشا گھماؤ بھائی .....''

اس نے پھر راستے بدلے۔ تاریکی میں اس بار دوسرے راستوں کا انتخاب کرتے ہوئے آگے بڑھا اور اس بار بھی سفر نے اسی چٹیل میدان پر دم توڑ دیا۔ چوتھی مرتبہ پھر نئے راستوں سے آگے بڑھا اور پھر وہی چٹیل میدان۔ اس نے سوچا ضرور کوئی گڑ بڑ ہے لیکن اس کے علاقے کے سامنے اور اڑوس پڑوس کے جو علاقے تھے، وہ تو اپنی جگہ قائم تھے اور اس کے علاقے کی پہچان اور حوالہ بن رہے تھے۔ صرف اس کا علاقہ ..... اس کا گھر اپنی جگہ سے غائب تھا۔

وہ سامنے ہی رام انکل کا مکان ہے ... اس طرف گیتا چاچی ہیں ..... ادھر شنکر چاچا ..... سبھوں کے مکان تو اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ ..... اس کے اندر جذبوں کا ابال برداشت سے باہر ہو رہا تھا ..... جی چاہا کہ جاکر رام انکل کے سینے سے لپٹ جائے ..... گیتا چاچی کو سلام کرکے آشیرواد لے .....کتنا خوش ہوں گی وہ ..... مجھے دیکھ کر

..... اور شکنتلا تو اب کافی بڑی ہوگئی ہوگی۔ شاید شادی کر کے اپنے سسرال جا بسی ہو ..... اس زمانے میں زیرِ لب شرمائی شرمائی یوں مسکراتی تھی جیسے جوانی کے سربستہ رازوں کے متعلق سب کچھ سمجھتی ہو ..... اب تو بال بچّوں والی ہوگئی ہوگی ..... ممکن ہے اب تک شادی نہ ہوئی ہو ..... چلوں، انھیں لوگوں سے پوچھ لوں ..... میرا گھر کہاں ہے .....نا .....شہر میں مکانوں کی بھیڑ میں ان کی انفرادی شناخت مشکل ہے ..... بھلا ان ہمدرد پڑوسیوں کے گھروں کے سلامت ہوتے ہوئے اپنا گھر کہاں غائب ہوسکتا ہے ..... میں بھول کر رہا ہوں.....

''بابو جی .....آپ کہاں کھو گئے.....؟''

''ہاں !'' وہ چونکا۔

اس نے ان گنت بار راستے بدلے اور ہر بار اس تاریکی میں چٹیل سنگلاخ میدان کی نحوست سے دو چار ہوا۔ اس نے سوچا، کیا اس شہر کے سارے راستے اسی چٹیل میدان تک پہنچتے ہیں..... میرا گھر اور میرا علاقہ آخر کہاں ہے .....؟

''بد بخت تیرا گھر اور تیرا علاقہ کوئی ہے .....؟

اسے جیسے سکتہ لگ گیا۔ چہرہ سُرخ ہو گیا۔ رکشے والے نے اسے جھنجھوڑا تو اس

کا سکوت ٹوٹا۔

سچ مچ میرا کوئی گھر اور میرا کوئی علاقہ کہاں ہے .....؟

''اس بار مسجد والے راستے سے چلو .....!''

نتیجہ پھر وہی چٹیل میدان۔ مندر والا راستہ بھی چٹیل میدان ہی تک پہنچا۔ یہاں تک کہ چرچ اور گورودوارے کے راستے بھی اسے چٹیل میدان کے علاوہ اور کہیں نہیں پہنچا سکے۔

اس نے محسوس کیا کہ رکشے والے نے اچانک رکشے کی رفتار تیز کردی ہے اور بار بار پیچھے مڑکر دیکھ رہا ہے۔

''کیوں ، کیا ہوا رکشے والے؟''

رکشا والا اس کے سوال سے بے خبر اندھا دھند رکشا چلائے جا رہا تھا اور بار بار پیچھے مڑکر دیکھ رہا تھا۔

'' تم اتنا تیز کیوں چل رہے ہو رکشے والے اور پیچھے مڑکر کیوں دیکھ رہے ہو .....؟''

'' اس نے رکشے والے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ رکشے والے نے جھٹکے سے بریک لیا اور خوف زدہ آنکھوں سے پیچھے کی طرف دیکھنے لگا۔

'' کیا بات ہے رکشے والے؟ '' اس نے بڑی ہمدردی کے لہجے میں

کہا۔وہ خود بھی خوف میں مبتلا ہو گیا تھا۔

نہیں معلوم کیوں بابو جی ..... کبھی کبھی مجھے ایسے لگتا ہے کہ ان گنت بھاری بھر کم بُوٹ، گھوڑوں کی ٹاپوں کی طرح سر پٹ دوڑتے ہوئے میرے رکشے کا پیچھا کر رہے ہیں ..... مجھے روندنے کے لیے میرے تعاقب میں ہیں .....'' لگاتار رکشا چلاتے رہنے کی وجہ سے تمھیں ایسا گمان ہو رہا ہے۔

''ہوسکتا ہے بابو جی . ہوسکتا ہے.....'' رکشا والا پسینہ پونچھنے لگا۔

اتنی طویل مسافت اور اس کی پراگندہ باتوں سے رکشا والا دب چکا تھا۔ اس نے کہا کہ اب اس میں آگے بڑھنے کی طاقت نہیں ہے۔ بھاری بھر کم بوٹ اس کے تعاقب میں ہیں اور بہتر ہو اگر اس کی اُجرت ادا کرکے اسے چھٹکارا دے۔

'' تم تھکے نہیں ہو ..... بلکہ ڈر گئے ہو ..... میں بھی دیکھوں کدھر سے آتی ہے۔ وہ بوٹوں کی چاپ .....''

اس نے رکشے والے کو سیٹ پر بٹھا دیا اور خود اگلی سیٹ پر سوار ہو کر رکشا چلانے لگا۔تب نئے راستوں سے ہوتا ہوا اس بار بھی وہ اسی چٹیل میدان کے نزدیک پہنچا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ رکشا والا سسکتا ہوا زار و قطار رو رہا تھا۔

''رکشے والے تم رو کیوں رہے ہو .....؟'' وہ اس کے بغل میں آ کر بیٹھ گیا۔ رکشا والا اور زور زور سے رونے لگا۔ روتے ہوئے بڑی مشکلوں سے وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

''تم جس علاقے جس بستی کو ڈھونڈ رہے ہو، اسے عرصے پہلے بلڈوزروں نے چٹیل میدان میں تبدیل کر دیا. میں بھی ہفتوں اسی طرح پورے شہر میں دیوانہ وار پاگلوں کی طرح چکّر کاٹتا ہوا بار بار اسی چٹیل میدان تک پہنچتا تھا۔ .... بلڈوزروں نے سب کچھ اجاڑ دیا ..... بھری پری بستی کو ملبے میں تبدیل کیا اور پھر چٹیل میدان بنا دیا ..... میری دکان، میرا گھر اور تمام اہل وعیال زندہ درگور ہو گئے ..... بیٹے میں نے تو صبر کر لیا تھا لیکن آج بار بار اس چٹیل میدان کو دیکھ کر پرانے زخم ہرے ہو گئے۔ ..... بابو جی ..... بابو جی .....تم سن رہے ہو .....؟''

اس بار رکشے والے کے بار بار جھنجھوڑ نے پر بھی بابو جی کا سکوت نہیں ٹوٹا۔

شوکت حیات

سید شوکت حیات کاشی چک میں ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔وہ جدید افسانہ نگاروں میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں ناہمواریوں کے خلاف مسلسل جد وجہد ملتی ہے۔ وہ پختہ ذہن کے فنکاروں کی طرح آہستہ آہستہ اپنے ذہن کی تصویر کو مکمّل کرتے ہیں اور اس کی تکمیل میں مکمّل رنگ بھرتے ہیں۔ اب جو تصویر سامنے آتی ہے وہ محض حقیقی واقعہ کا عکس نہیں ہوتی بلکہ اس کے اندر ایک ایسی تخلیقی قوت ہوتی ہے جو اس کی شدت کو سر تا سر بڑھا دیتی ہے۔

شوکت حیات کے افسانے فکری اور فنی افسانے کے ارتقائی کیفیت کی مثالیں ہیں جن میں زندگی کی دھڑکنیں ہر جگہ محسوس کی جا سکتی ہیں۔ اس کا ایک مکمّل منظر نامہ شوکت حیات کی جگہ معتبر بھی ہے اور محفوظ ہے۔

'سرپٹ گھوڑا، بانگ، شکنجہ، کو بڑا، بھندا، بیگانگی، گنبد کے کبوتر وغیرہ شوکت حیات کے مشہور افسانے ہیں۔

فرہنگ

پھیپھڑے : سانس لینے کے عضو Lungs

بد بخت : بدنصیب

سنسنانا : Tingling Sensation

دبیز : گاڑھا Thick

گمان : شک وشبہ

صعوبت : تکلیف

جھنجھوڑنا : کسی کو جگانے کے لیے زور سے ہلانا

ضدی : ہٹ کرنے والا

رجعت پسند : پرانے خیالات والا

جائداد : مال و اسباب، زمین

چوراہا : وہ جگہ جہاں سے چار راستے نکلتے ہیں

جھٹکے سے : فوراً

تعاقب کرنا : پیچھا کرنا

بغل میں آ کر بیٹھنا: کسی کے پہلو میں بیٹھنا

ملبا : گرے ہوئے مکان کی اینٹیں اور مٹی وغیرہ

درگور : مرجانا

سرگرمیاں

۱) افسانہ 'گھونسلا' میں کئی دنوں کے بعد بابو جی اپنے علاقے میں واپس آرہا ہے۔ اپنے پڑوسیوں کے گھر دیکھ کر وہ کیا سوچتا ہے؟

۲) 'ٹکنالوجی کی ترقی اور فطرت کی بربادی' کے موضوع پر ایک بحث و مباحثہ منعقد کیجیے۔

۳) 'کروڑوں لوگوں کا اس بھری پری دنیا میں کوئی اسٹیشن نہیں ہے' بابو جی کے اس نظریہ پر آپ کے خیالات واضح کیجیے۔

۴) اس افسانے میں بابو جی اپنے سفر میں دو افراد کے متعلق شدّت سے سوچتا رہا تھا۔ کن کے بارے میں وہ سوچتا رہا تھا؟

۵) بچپن کے مقابلے میں کیا آپ کے علاقے کے تالاب، ندی، نالے، کھیت، پہاڑ اور جنگل وغیرہ میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟ ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

۶) فرض کیجیے کہ آپ سرکار کے کسی اعلیٰ عہدے، پر پہنچ گئے ہیں تو، ماحول کے تحفظ کے لیے کیا کیا تجاویز پیش کریں گے؟

۷) ماحولیات کی بربادی پر تصویروں کی ایک نمائش منعقد کیجیے۔

۸) اس افسانے کا خلاصہ مختصر طور پر لکھیے۔

۹) آپ کے پسندیدہ کسی افسانہ نگار کے بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

۱۰) چند مشہور افسانہ نگار اور ان کے افسانوں کی فہرست تیار کیجیے۔

حوالہ جات

گنبد کے کبوتر	شوکت حیات
بیگا نگی	شوکت حیات
شکنجہ	شوکت حیات
بانگ	شوکت حیات

غزل

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

نکلنا خُلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستہء تیغِ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

مرزا غالبؔ

فرہنگ

خواہش پہ دم نکلنا: ایسی خواہش جس کی پوری ہونے کے انتظار میں دم نکل جائے

ارمان : تمنّا

ارمان نکلنا : ارمان پورے ہوجانا

خلد : جنّت

بے آبرو : بے عزت

کوچہ : گلی

توقع : امید

خستگی : بد حالی، بربادی

داد پانا : تعریف ملنا

تیغ : تلوار

خستہ تیغ ستم : تلوار سے زخمی آدمی

کافر : معشوق، انکار کرنے والا

دم نکلے : مرنا

مے خانہ : شراب خانہ

سرگرمیاں

۱) مرزا غالبؔ اردو کے عظیم شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ذیل کے اشاروں کی مدد سے مرزا غالبؔ کا ایک یک رخی نقشہ (Profile) تیار کیجیے۔

پورا نام :

تخلص :

پیدائش :

شادی :

شاعری کی خصوصیت :

خطوط کے مجموعے :

مجموعہء کلام :

ادبی خدمات :

انتقال :

۲) 'انسانی خواہشات بے حد ہیں' اس قول پر آپ کہاں تک متفق ہیں؟ مرزا غالبؔ کی غزل کے پہلے شعر کی روشنی میں اپنے خیالات واضح کیجیے۔

۳) ذیل کے شعر کے ذریعے غالبؔ ہمیں کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستہء تیغِ ستم نکلے

۴) آپ نے عشق و محبت کے موضوع پر لکھے ہوئے بہت سے اشعار پڑھے ہوں گے۔ ایسے چند اشعار جمع کیجیے۔

۵) اس غزل کا مقطع مرزا غالبؔ کے طنزیہ انداز کی بہترین مثال ہے۔ ان کے کلام میں ایسے بہت سے اشعار ملیں گے۔ اس طرح کے چند اشعار جمع کیجیے۔

۳) نیچے دیے گئے شعر کا مطلب اپنے الفاظ میں لکھیے۔

کہاں میخانہ کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں، کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے